مجلس انصار اللہ یوکے علمی تعلیمی تربیتی مجلہ

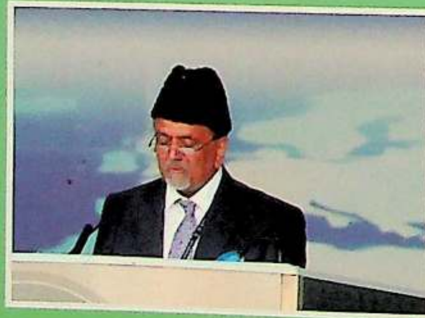
انصار الدین

جولائی، اگست ۲۰۱۴ء   وفاء، ظہور ہجری شمسی ۱۳۹۳   جلد ۱۱، شمارہ ۴

جلسہ سالانہ برطانیہ









Jalsa UK 2014

Ansar Aftaar & Eid Dinners 2014



Eid Dinner held on 10th August 2014, Cardiff



At Eid Dinner AM Walash Mohammad Asghar, held on 10th August 2014, Cardiff

انصارالدین

جلد 11   نمبر 4   جولائی و اگست 2014ء

فہرست مضامین

انصار اللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔
نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

صدر مجلس انصار اللہ
چودھری وسیم احمد

مدیر اعلیٰ: **ڈاکٹر شمیم احمد**

مدیر: **محمود احمد ملک**

نائبین: حبیب الرّحمٰن غوری، صفدر حسین عباسی

مینیجر: محمود علی مرزا

ترسیل: فیاض احمد ملھی (انچارج)
میاں اخلاق احمد، رانا ظہور احمد، سعادت جان

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ
کیا آپ حضرت امیر المومنین
خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات
اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے
روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں
اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

درس القرآن

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ(انفال: 25) کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات پر لبیک کہو۔ جب وہ تمہیں بلائے تا کہ تمہیں زندہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو زندگی دینے کے لئے بھیجتا ہے۔ ان یعنی مومنوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی موت کو زندگی عطا کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ زندگی روحانی زندگی ہے نہ کہ ظاہری موت سے زندگی۔ یہاں ایک صداقت کا بھی اظہار ہے کہ مومن کو ہمیشہ نبی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی اصلاح کے سامان کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہماری زندگی کے سامان کئے اور ایک کامل اور مکمل شریعت قرآن کریم کی صورت میں نازل فرمائی۔ اور اس پر عمل کرنے کا کامل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہنے والوں نے محسوس کیا اور محسوس کرتے تھے۔ جو جتنا زیادہ آپ کے قریب تھا اتنا ہی زیادہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے کا حسن نکھر کر واضح ہوتا تھا اور آپ کی بیویاں آپ کے اس حسن عمل کی سب سے زیادہ گواہ ہوسکتی تھیں اور تھیں۔ تبھی تو جب سوال کرنے والے نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔ آپ کا خُلق قرآن تھا۔ جو کچھ قرآن کریم میں ہے اس کا عملی نمونہ آپ تھے۔

پس انبیاء کا وجود دنیا میں نمونہ ہوتا ہے۔ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کے وجود یا ان کے نمونے سے کسی کو ٹھوکر لگے۔ یہاں اس آیت میں اللہ اور رسول کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جو اللہ کہتا ہے وہی اس کے رسول کہتے اور کرتے ہیں۔ پس اگر روحانی زندگی چاہتے ہو تو آنکھیں بند کر کے رسول کے پیچھے چل پڑو۔ اس کی اتباع کرو۔ اس کے حکموں پر عمل کرو۔ اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں تو یہ بھی فرمایا کہ اگر تم خدا تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ضروری ہے اور خدا کی محبت ہی وہ مقام ہے جس سے روحانی حیات ملتی ہے، روحانی زندگی ملتی ہے۔ پس حقیقی روحانی زندگی کے لئے آنحضرت ﷺ کی آواز پر لبیک کہنا ضروری ہے۔ اور جب تک ایک مسلمان کہلانے والا حقیقی رنگ میں اس بات کو نہیں مانتا جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے ان الفاظ میں اعلان کروائی کہ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ(آل عمران: 32)۔ پس میری اتباع کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اس وقت تک ایک مسلمان کہلانے والا حقیقی متبع اور مومن نہیں کہلا سکتا۔ اور آپ کی اتباع کے لئے آپ کے نمونے کی لکھی ہوئی تفصیل جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا قرآن کریم کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جو کہتا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں ناانصافی پر مجبور نہ کرے۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جو کہتا ہے کہ بلاوجہ کسی کا خون نہ بہاؤ۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جو کہتا ہے مخلوق کے حقوق ادا کرو۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جو کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں جو بلا تخصیص مذہب و ملت ہر ایک کے لئے رحمت ہیں۔ رحمانیت اس بات کا ہی تقاضا کرتی ہے کہ وہ بلا تخصیص ہو۔ غرض کہ جیسے جیسے قرآن کریم کو پڑھتے جائیں اس میں ہر قسم کی رہنمائی اور ہدایت ملتی چلی جاتی ہے۔ (خطبہ جمعہ 15 اگست 2014ء سے ماخوذ)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ذیل میں آنحضور ﷺ کی چند منتخب احادیث پیش ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ (1) اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی ہستی قابل پرستش نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ (2) نماز قائم کرنا (3) زکوٰۃ ادا کرنا (4) بیت اللہ کا حج بجالانا اور (5) رمضان کے روزے رکھنا۔ (بخاری کتاب الایمان باب دعاؤ کم ایمانکم......حدیث نمبر 8)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جلدی جلدی نماز پڑھی تو آپؐ نے اسے فرمایا تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ پھر اسے نماز پڑھنے کا طریق سکھایا۔ فرمایا جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر حسب توفیق قرآن کی تلاوت کرو۔ پھر پورے اطمینان سے رکوع کرو۔ پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو۔ پھر سجدہ کے بعد اطمینان کے ساتھ بیٹھو۔ اسی طرح ساری نماز ٹھہر ٹھہر کر سنوار کر پڑھو۔ (بخاری کتاب الاذان باب وجوب القراء ۃ للامام حدیث نمبر: 715)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مقصود آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں بشاشت پیدا کرتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کا مقصود دنیا ہو اللہ اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے غربت رکھ دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں گھٹن پیدا کرتا ہے اور اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی مقدر ہو۔ (جامع ترمذی کتاب القیامۃ حدیث نمبر 2389)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تسبیح نصف میزان ہے اور الحمد للہ اس کو بھر دیتا ہے۔ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں اور وہ سیدھا خدا کے حضور پہنچتا ہے۔

(جامع ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر 3440)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سخت عذاب دے گا۔ پھر تم دعائیں کرو گے مگر وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔ (جامع ترمذی کتاب الفتن باب الامر بالمعروف حدیث نمبر 2095)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو شخص مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اس سے گز بھر قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث نمبر 6856)

حضرت عثمانؓ بن عفان بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ تم میں سے وہ شخص سب سے بہتر ہے جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب خیرکم من تعلّم القرآن حدیث نمبر 4693)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حقیقی مسلمان کی بابت کیا تصور تھا۔اسے بیان کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:

''حقیقی مسلمان کا یہ مقصد نہیں ہوا کرتا کہ اس کو خوابیں آتی رہیں بلکہ اس کا مقصد تو ہمیشہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے اور جہاں تک اس کی طاقت اور ہمت میں ہے اس کو راضی کرنے کی سعی کرے۔......

مَیں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کو اس بات کا ٹھرک ہوتا ہے کہ انہیں کشف ہو اور بعض کشفِ قبور، تسخیر وغیرہ بیہودہ باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں مگر میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ یہ چیزیں کچھ بھی نہیں۔اصل بات یہی ہے کہ انسان کا دل خدا تعالیٰ کی خالص محبت سے اس طرح پر لبریز ہو جاوے جیسے کہ عطر کا شیشہ بھرا ہوا ہو۔اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے۔یہ مراد اگر مل جاوے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی مراد نہیں ہے۔جب اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب اور تعلق ہو کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کا تخت گاہ ہو تو یہ ناممکن ہے کہ یہ اس کے انوار و برکات سے مستفیض نہ ہو اور اس کا کلام نہ سنے۔

اگر چاہتے ہو کہ اس کا کلام سنو تو اس کا قرب حاصل کرو۔مگر یاد رکھو کہ اصل مقصود تمہارا یہ نہ ہو۔ورنہ میرا اپنا مذہب یہی ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہوگا۔کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی محبت کی غرض اصل تو یہ ہوئی کہ الہام ہوں یا کشوف ہوں اور پھر باریک طور پر اس کے ساتھ نفسانی غرض یہ ملی ہوئی ہوتی ہے کہ اس سے ہماری شہرت ہو۔لوگوں میں ہم ممتاز ہوں۔ہماری طرف رجوع ہو۔یہ باتیں صافی تعلقات میں ایک روک ہو جاتی ہیں اور اکثر اوقات شیطان ایسے وقت پر قابو پالیتا ہے۔وہ باریک نفسانی غرض کو پالیتا ہے۔پھر نفسانی خواہشیں بھی آنے لگتی ہیں اور اس طرح پر آخر موقعہ پر شیطان ہلاک کر دیتا ہے۔اس لئے نہایت امن کی راہ یہی ہے کہ انسان اپنی غرض کو صاف کرے اور خالصتاً روبخدا ہو۔اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو صاف کرے اور بڑھائے اور وجہ اللہ کی طرف دوڑے۔وہی اس کا مقصود اور محبوب ہو اور تقویٰ پر قدم رکھ کر اعمال صالحہ بجالاوے۔پھر سنت اللہ اپنا کام آپ کرے گی۔اس کی نظر نتائج پر نہ ہو بلکہ نظر تو اسی ایک نقطہ پر ہو۔اسی حد تک پہنچنے کے لئے اگر یہ شرط ہو کہ وہاں پہنچ کر سب سے زیادہ سزا ملے گی تب بھی اسی کی طرف جاوے۔یعنی کوئی ثواب یا عذاب اس کی طرف جانے کا اصل مقصد نہ ہو۔محض خدا تعالیٰ ہی اصل مقصد ہو۔

جب وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف آئے گا اور اس کا قرب حاصل ہوگا تو یہ وہ سب کچھ دیکھے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ گزرا ہوگا اور کشوف اور خواب تو کچھ چیز ہی نہ ہوں گے۔پس مَیں تو اس راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور یہی اصل غرض ہے۔اسی کو قرآن شریف میں فلاح کہا ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا۔(الشمس:10)''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ:76,77)

فرمودات
حضرت خلیفۃالمسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا یہ ہم پر بڑا احسان ہے کہ جہاں اس نے قرآن کریم میں ہمیں عبادتوں کے طریق بتائے، اس کے معیار حاصل کرنے کے راستے دکھائے، وہاں اخلاق فاضلہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان کی بھی نشاندہی فرمائی۔اعلیٰ اخلاق کا حاصل کرنا اور اس کا مظاہرہ کرنا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ...... ضروری قرار دیا ہے۔آپ نے اس معیار کا ایک جگہ یوں ذکر فرمایا کہ: ''مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جبتک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔'' یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔یہ معیار حاصل کرنا کوئی عام بات نہیں ہے۔بہت سے ہیں جو دوسروں کے آرام کا خیال رکھتے ہیں لیکن اپنے وسائل کے لحاظ سے اگر اپنے آرام کو قربان کئے بغیر یہ خیال رکھ سکیں تو رکھتے ہیں۔لیکن یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو ترجیح دے۔خونی رشتوں میں بھی لوگ بعض دفعہ ایسی قربانی دے دیتے ہیں کہ اپنے آرام کو قربان کر دیتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لئے اس معیار کی قربانی بہت مشکل ہے۔بلکہ دوسروں کے آرام کے تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا کہ دوسروں کی تکلیف کو جب تک اپنی تکلیف کی طرح نہیں سمجھتے حقیقی مومن نہیں بن سکتے۔یہ الفاظ میرے ہیں مفہوم یہی ہے۔آپ نے فرمایا اگر میرا بیمار بھائی تکلیف میں مبتلا ہے اور میں آرام سے سو رہا ہوں تو میری حالت پر حیف ہے۔میرا فرض بنتا ہے کہ جہاں تک میرا بس چلے اس کے آرام کے سامان پیدا کرنے کی کوشش کروں۔اگر کوئی دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے سخت گوئی کرے تو تب بھی میری حالت پر افسوس ہے کہ میں دیدہ و دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں۔میرا کام یہ ہے کہ میں صبر کا مظاہرہ کروں اور اس کے لئے رو رو کر دعا کروں کہ یہ روحانی طور پر بیمار ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کرے۔

پس یہ وہ معیار ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے دین میں، قرآن کریم میں حکم دیا ہے کہ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ (الفتح:30)۔کہ مومن آپس میں رحم کے جذبات رکھتے ہیں اور رحم کے جذبات کی وجہ سے ایک دوسرے کے درد کو محسوس کرتے ہیں اور درد کو محسوس کر کے اس کے لئے عملی کوشش بھی کرتے ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں۔

پس ہمیں جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو یہ معیار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر ہم اس پر عمل کرنے لگ جائیں تو جتنے چھوٹے بڑے جھگڑے ہمارے ہوتے ہیں یہ سب ختم ہو جائیں۔ذاتی اناؤں کا وہیں سوال پیدا ہوتا ہے، بُغض اور غصہ وہیں بھڑکتا ہے جب تقویٰ نہ ہو۔جب خدا تعالیٰ کا خوف نہ ہو۔جب ذاتی مفادات کو دوسروں کے مفادات پر ترجیح دی جارہی ہو۔پس یہ تقویٰ پیدا کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔ہر اس شخص کا فرض ہے جو اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی طرف منسوب کرتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 اگست 2014ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانوروں پر شفقت و احسانات

(طارق حیات مربی سلسلہ احمدیہ پاکستان)

حُسن نام ہے افراط اور تفریط سے بچنے کا، اور ہمارے محسن، نبی رحمت، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لاریب سب سے زیادہ حسین ودلربا تھے۔ بلاشبہ آپ ﷺ اپنے اعمال میں، اقوال میں، اور ہر ممکن عقلی اور فکری پہلو سے حسن واحسان کے اعلیٰ ترین رنگ میں رنگین تھے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت صورت حال یہ تھی ایک طرف تو انسان کو ہی انسان نہیں سمجھا جارہا تھا وہاں کسی جانور پر شفقت تو محض ایک نادر عمل تھا۔ مختلف معاشروں میں کسی بے زبان جانور کو باندھ کر اس پر چاند ماری کرنا شجاعت اور مردانگی کا وصف شمار کیا جاتا تھا، اہل عرب زندہ جانور کا گوشت کا ٹکڑا کاٹ لینا برا نہ سمجھتے تھے۔ ظلم کا ایک نقشہ یہ تھا کہ

''(ملک عرب کے) بعض قبائل میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی آدمی مرجاتا تھا تو اس کی قبر کے پاس اس کے اونٹ کو باندھ دیتے تھے حتیٰ کہ وہ بھوک پیاس سے مرجاتا تھا۔'' (سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ 60)

اور دوسری طرف دنیا کے کونے کونے میں اس مخلوق کی عبادت کرنے والے بھی موجود تھے۔ یوں تو حیوان پرستی دنیا کے متفرق خطوں میں پائی جاتی تھی بطور مثال برصغیر پاک وہند کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''جانوروں اور پودوں کی پرستش بھی ہمہ گیر ہے۔ یہ مسلک جزواً ''ٹوٹم مت'' (Totem یعنی ایک قسم کے جانور یا پودے کی تصویر جو متفرق قبائل میں بطور نشانی کے مستعمل ہوتی تھی) کی باقیات ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے بہت سے قدیم اور پسماندہ قبائل میں اس کا تعلق ٹوٹمی دساتیر کے ساتھ ہے۔ ناگ اور بندر قبیلے کے اراکین کا خصوصی احترام کیا جاتا ہے۔ زیادہ خطرناک جانوروں بالخصوص کوبرا سانپ کی پرستش عام ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں بیل کو مقدس مانا جاتا ہے۔ عظیم دیوتاؤں کے جانوروں والے رتھ بذات خود خصوصی معروض پرستش ہیں۔ چنانچہ برہما کی مقدس مرغابی، گروڑ، وشنو کا افسانوی عقاب یا گدھ، نندن یا شیو کا بیل، اس کی بیوی درگا کا شیر، گنیش کا چوہا اور دیوتائے محبت کام دیو کا طوطا اپنے سے منسوب دیوتاؤں کی تعظیم میں حصہ دار ہیں۔ خطرناک درندوں سے بچنے کے لئے انہیں پرستش کے ذریعہ خوش کیا گیا۔ مگر کچھ جانوروں کی مفید خدمات نے انہیں احترام دلایا۔'' (جھوٹے خدا، از یاسر جواد، صفحہ 35۔ مطبوعہ نگارشات لاہور، سال 2005ء)

اسی حیوان پرستی میں مچھلی اور کچھوے کی عبادت کا اشارہ درج ذیل اقتباس میں بھی ملتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا کی ذات اور صفات کی نسبت طرح طرح کی بدگمانیاں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اور مقلدان کتابوں کے عجیب عجیب عقائد کے پابند ہورہے ہیں۔ کوئی فرقہ ان میں سے خدا کو خالق اور قادر ہونے سے جواب دے رہا ہے۔ اور قدیم اور خود بخود ہونے میں اس کا بھائی اور حصہ دار بن بیٹھا ہے۔ اور کوئی بتوں اور مورتوں اور دیوتوں کو اس کے کارخانہ میں دخیل اور اس کی سلطنت کا مدارالمہام سمجھ رہا ہے کوئی اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں اور پوتے اور پوتیاں تراش رہا ہے۔ اور کوئی خود اسی کو مچھ اور کچھ کا جنم دے رہا ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن جلد اول صفحہ 83-82)

الغرض آپ ﷺ نے جانوروں کے متعلق اعتدال اور توازن کا درس دے کر ایک لازوال حسن قائم فرمادیا۔

آپ ﷺ کو رحمۃٌ للعالمین کا عظیم خطاب دے کر بھیجا گیا اور اس عالم میں انسان کے علاوہ بھی جانداروں کے بے شمار اقسام موجود ہیں اس ناتے آپ ﷺ کی رحمت کا دائرہ ذی روح، اشرف المخلوقات سے بڑھ کر جانوروں کو بھی سمیٹے ہوئے ہے بلکہ بہت زیادہ وسعت پذیر ہے۔ جانوروں کے گروہ پر آپ ﷺ کی شفقتوں اور رحمتوں کا جائزہ لینے کی اس مضمون میں سعی کی جائے گی۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کو انذار وتبشیر کے رنگ میں درس دیا کہ گزشتہ لوگوں میں سے ایک عورت نے بلی کو بھوکا مار کر عذاب سمیٹا اور ایک شخص کو پیاسے کتے کو پانی پلا کر بخشش مل گئی، تفصیل یوں ہے: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ایک دفعہ ایک شخص سفر پر جارہا تھا اس نے پیاس محسوس کی۔ کنواں دیکھ پانی پیا۔ دیکھا کہ پاس ہی ایک کتا پیاس کی شدت کے باعث گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ وہ آدمی دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھر کر باہر آیا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آئی اور اسے بخش دیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں سے حسن سلوک کا بھی اجر ملے گا؟۔ آپؐ نے فرمایا ''ہاں ہر ذی روح اور جاندار چیز کے ساتھ نیکی اور احسان کا بدلہ ملتا ہے۔

آپ ﷺ نے جانور کو لعنت ملامت کرنے اور اسے گالیاں دینے سے روکا پھر ایک دفعہ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ جانور کو بطور آرام کرسی نہ استعمال کرو۔ بعد سفر جانور کو بھی آرام وراحت کے لئے کھلا چھوڑ دیا کرو۔

دنیا کے دیگر معاشروں کی طرح عرب بھی اپنے ملکیتی جانوروں پر نشان لگانے کے لئے ان کے جسم پر گرم لوہے سے داغ لگایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے بعض جانوروں کے چہرے وغیرہ پر داغ کا نشان دیکھا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور سمجھایا کہ ان جانوروں کو آگ کی اذیت سے بچانا چاہئے اور ان کے منہ اور نرم گوشت والے حصوں پر گرم لوہے سے نشان نہیں لگانا چاہئے۔ دُم کے قریب پیٹھ کی ہڈی پر نشان لگانے سے جانور کو کم سے کم تکلیف ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں شرف انسانیت کی خاطر کسی کے چہرے پر مارنے سے منع کیا وہاں جانوروں پر بھی رحم کرتے ہوئے اور ان کے چہرے کی عزت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ جانوروں کے چہرے پر نہ مارا کرو کیونکہ ہر چیز

منہ سے تسبیح کرتی ہے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا اور ایک انصاری کے باغ میں لے گئے۔ وہاں پر ایک اونٹ نبی کریم کو دیکھ کر بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔ حضورؐ اس کے پاس آئے اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ نبی کریمؐ نے پوچھا ''یہ کس کا اونٹ ہے؟'' ایک انصاری نوجوان آگے بڑھا اور کہا کہ میرا اونٹ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا اس جانور کے بارے میں تم اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ جس کا خدا نے تجھے مالک بنایا ہے۔ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے۔

دورِ حاضر میں ماہر حیاتیات John Ray (1627ء تا 1705ء) نے بطور خاص بڑی جدوجہد اور دیگر سائنسدانوں کی برس ہا برس کی محنت و تحقیق کے بعد جانوروں میں آٹھ اقسام یعنی Eight Phylems کا سراغ لگایا ہے جبکہ بانی اسلام حضرت محمد ﷺ پر پندرہ سو سال قبل نازل ہونے والے قرآن کریم کی سورۃ الزمر کی آیت 7 میں یوں بیان ہے: ''وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ''۔ جبکہ کچھ لوگوں نے جگالی کرتا خرگوش (عہد نامہ قدیم، احبار باب 11 آیت 4) اور جگالی میں مصروف یربوع جنگلی چوہا (عہد نامہ قدیم، استثناء باب 14 آیت 7) اپنی مقدس مذہبی کتاب میں درج کیا ہوا ہو، اور ایسی کتاب کے ماننے والے آج عصر حاضر میں نبی رحمت، محسن انسانیت ﷺ پر اعتراض کرتے پھرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمنؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سفر کے دوران ایک جگہ رُکے تو ایک شخص چڑیا کے گھونسلے سے انڈے نکال لایا۔ وہ چڑیا آ کر حضورؐ اور آپؐ کے صحابہ کے سر پر منڈلانے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس ننھی چڑیا پر پڑی تو فرمایا کہ اس پرندے کو کس نے دُکھ دیا ہے؟ اس آدمی نے بتایا کہ ''میں نے اس کے انڈے اُٹھائے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کے انڈے واپس گھونسلے میں رکھ دو''۔

آپ ﷺ تو زمین پر رینگنے والی چیونٹیوں کے لئے رحمت تھے ایک دفعہ چیونٹیوں کی بل کو آتش زدگی کا شکار دیکھ کر فرمایا: ''مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا ہرگز مناسب نہ ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے بھی منع کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ وہ قریش کے کچھ نوجوانوں کے پاس سے گزرے، جو ایک پرندے کو باندھ کر اس کے نشانے لے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر وہ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ آپؓ نے پوچھا ''کس نے پرندے کو باندھ کر نشانے بنانے کا سلسلہ شروع کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے۔'' اور پھر کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو جانداروں کو نشانہ بناتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شکاری پرندوں اسی طرح چیونٹی، شہد کی مکھی اور ہدہد کو مارنے سے روکا ہے۔ دراصل پیغام یہ دیا گیا ہے کہ بلا مقصد کسی جانور کی جان لینا منع ہے نیز بعض پرندے دیکھنے میں خوبصورت ہوتے ہیں ان کا حسن ماحول میں خوبصورتی کا موجب ہوا کرتا ہے لہٰذا ان کے درپے ہونا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہے نیز ایسا کرنے سے قدرتی نظام میں خلل آنے کا خدشہ ہے۔ اور انہی اخلاق عالیہ کا اعادہ اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا جب ایک دفعہ آپؑ نے گھر میں کھڑکیاں دروازے بند کر کے پرندے پکڑنے والے برخوردار کو یہ کہہ کر حسین نصیحت فرمائی کہ ہر پرندہ شکار کھیلنے اور بطور خوراک استعمال کرنے کے لئے نہیں ہوتا ہے ان پرندوں کا ماحول کی خوبصورتی میں بھی ایک حصہ ہوتا ہے۔

جانور کے جسم کے اعضاء پر کسی بھی قسم کی تکلیف آپ ﷺ کو گوارا نہ تھی حتی کہ آپ کسی جانور کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹنے سے بھی بے چین ہو جایا کرتے تھے۔

دین فطرت لانے والے نبی رحمت ﷺ نے جانور کی تکلیف کا اس حد تک احساس فرماتے ہوئے احکامات ارشاد فرمائے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ صحیح المسلم کتاب الذبائح والصید میں باب ہے ''چھوٹے پتھر (درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے) مارنا'' حدیث کے الفاظ ہیں:

سیدنا عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دو انگلیوں سے کنکری پھینکتے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا کہ (اس طرح) مت پھینکو کیونکہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے یا مکروہ سمجھا ہے اور فرمایا ہے اس سے (کیا فائدہ کہ) نہ تو کوئی شکار ہی ہوتا ہے اور نہ دشمن ہی زخمی ہوتا ہے اور لیکن یہ کنکری کسی کا دانت توڑ دیتی ہے یا آنکھ پھوڑ دیتی ہے یعنی بجز نقصان کے کوئی بھی نفع نہیں ہے۔ الغرض آپ ﷺ نے جانوروں پر شفقت کرنے والی ایک جماعت تیار فرمادی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے۔ یعنی ہر ذی روح پر احسان کرنا انسان کے لئے لازم ہے۔ جب تم کوئی جانور ذبح کرو تو احسان کا دامن نہ چھوڑو۔ اور ذبح کرنے میں احسان یہ ہے کہ چھری تیز کر لو اور ذبح ہونے والے جانور کو اس کے ذریعے آرام پہنچاؤ''۔ یعنی کند چھری کی وجہ سے جانور کی جان دیر سے نکلے گی اور اُسے تکلیف ہوگی۔ اس سے بچنا چاہئے۔

رسول اللہؐ نے جانوروں کو اذیّت پہنچانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے ڈرایا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا جس نے اس کو قید کر دیا تھا۔ نہ تو خود اس بلی کو کچھ کھانے پینے کو دیا اور نہ ہی اُسے آزادی دی کہ وہ زمین سے ہی کوئی چیز کھالیتی۔ اس سبب سے وہ عورت آگ میں ڈالی گئی۔

سابق عیسائی راہبہ پروفیسر کیرن آرمسٹرانگ نے نبی کریمؐ کی جانوروں سے محبت کے ذکر میں لکھا:

ترجمہ: ''مغرب میں صدیوں تک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناپسندیدہ شخصیت خیال کرتے رہے ہیں۔ ایک ظالم جنگجو اور ایک بے رحم سیاستدان۔ لیکن آپؐ ایک عظیم ہمدرد اور دوسروں کا احساس رکھنے والے انسان تھے۔ آپؐ جانوروں سے بھی محبت کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر آپؐ نے ایک بلی کو اپنے

کپڑے پر سوئے ہوئے پایا تو اسے وہاں سے اُٹھانا پسند نہیں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی معاشرے کا ایک امتحان جانوروں کے ساتھ لوگوں کا رویہ ہوتا ہے۔ تمام مذاہب محبت کے رویے کی حوصلہ افزائی کرتے اور عالم قدرت کی عزت کرتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو یہی سبق دینا چاہتے تھے۔ جاہلیت میں عرب جانوروں سے بہت برا سلوک کرتے تھے۔ وہ زندہ جانوروں سے کھانے کے لئے گوشت کاٹ لینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ وہ اونٹوں کی گردنوں میں تکلیف دہ حلقے ڈال دیتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو داغنے کے ظالمانہ طریق اور جانوروں کی لڑائیوں سے روک دیا''

[Muhammad A Biography of Prophet. Page 231]۔ (بحوالہ اسوۂ انسان کامل، از حافظ مظفر احمد صاحب)

پاکستان کے ایک معروف ادیب اور مزاح نگار کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو جانوروں کے زمرہ سے محض گوشت خوری کی فطری طلب پوری کرنے کے لئے غرض ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے جانوروں پر شفقت کے جو اصول بانی اسلام ﷺ نے مرحمت فرمائے اور اپنے مقدس فعل سے اس پر گرہ لگائی وہ آپ کے معلم حقیقی ہونے کی وجہ سے صحابہ میں بھی جاری ہوئے اور جانوروں پر شفقت کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا۔

عباسی دور میں بصرہ، عراق میں جنم لینے والے مسلم نابغہ الجاحظ (ولادت 776ء، وفات 869ء) نے بعد تحقیقات و مشاہدات ''کتاب الحیوان'' تحریر کی۔ اس مسلم سکالر نے Food Chain کا نظریہ درج کیا، نیز Animal Environmental اور Natural Selection اور Evolution determinism کے موضوعات پر بحث کی ہوئی ہے۔ الغرض یہ 7 جلدوں پر مشتمل کتاب جانوروں کی 350 اقسام کے متعلق تحقیقات، نظم و نثر اور محاورات سے بھرپور ہے جسے انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے۔

اہل مصر میں سے علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری (ولادت: 1344ء وفات 1405ء) نے ''کتاب الحیوان الکبری'' تصنیف فرمائی جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے 931 حیوانات کا ذکر کیا جن کے اسماء مصنف کو قرآن کریم، احادیث اور اہل عرب کی شاعری و محاورات میں میسر آئے۔ اس کتاب میں 500 ادباء اور 200 شعراء کے کلام سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ہر مذکور جانور کے نام کے درست ہجے، تلفظ اور معانی کا بیان ہے۔ الغرض جانوروں کے متعلق علوم اور مشاہدات سے پُر یہ کتاب متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور اہل اسلام کے جانوروں پر شفقت و احسانات کا منہ بولتا ثبوت ہے اس فاضل مصنف نے تو اس کتاب میں تخیلاتی اور تصوراتی پرندوں کے متعلق نظریات بھی درج کر دیئے تھے۔

عصر حاضر میں بھی جانوروں کے متعلق افراط و تفریط کا اسلوب اپنایا جا رہا ہے۔ ایک طرف جانوروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے سرگرم عمل تنظیمیں قائم ہو کر دنیا بھر میں جدوجہد کر رہی ہیں تو دوسری طرف حیوانات پر اس قدر ظلم ہو رہا ہے کہ جانوروں کی بعض قسمیں اور نسلیں ہی معرض خطر میں پڑ چکی ہیں۔

خدا کے بھیجے ہوئے زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے درست اسلامی تعلیم کی بابت استفسار کرنے کا ثواب ایک احمدی سائنسدان Clement Lindley Wragge کے حصہ میں آیا جب یہ شخص 18 مئی 1908ء کو بعد نماز ظہر لاہور میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حیوانات کے متعلق علمی دنیا میں گردش کرنے والے متفرق سوالات پیش کئے جن میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان کے جوابات ملفوظات جلد پنجم (پانچ جلد والا ایڈیشن) میں درج ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆...... جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے۔ تو کیا وجہ کہ نظام دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنا دیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف و رحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھا جائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں؟

☆...... یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنیٰ اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے؟

☆...... یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جاوے گا؟

☆...... تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں؟

خلافت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے

ہر احمدی کا فرض

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

''خلافت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے ہر احمدی کا فرض بنتا ہے کہ اپنی نمازوں کی طرف توجہ دے تاکہ وہ انقلاب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وابستہ ہے، جس کے نتیجے میں دنیا کی اکثریت نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہونا ہے، وہ جو دعاؤں کے ذریعے سے عمل میں آنا ہے، وہ عمل میں آئے۔ پس ہر احمدی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھے اور اپنی نمازوں کی حفاظت، اپنی اولاد کی نمازوں کی حفاظت کی طرف توجہ دے تاکہ ہم جلد تمام دنیا پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا لہراتا ہوا دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کو ہم بھی اور ہماری نسلیں بھی جذب کرنے والی ہوں''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 رجون 2012ء بمقام مسجد بیت الرحمن واشنگٹن۔ امریکہ)

احمدی کی عظمتِ کردار

(محمود احمد انیس مربی سلسلہ یوکے)

خداتعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعہ جب کسی سلسلہ کی بنیاد رکھتا ہے تو اس کے ماننے والوں میں ایک روحانی انقلاب برپا کرتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر برائی اور گناہ سے اپنا دامن بچا کر رکھتے ہیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں میں دوسروں کے لئے نیک نمونہ ہوتے ہیں۔ وہ عبادات کے قیام، اصلاحِ نفس اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کر کے روحانی ترقی کے اعلیٰ معیاروں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بے ضرر، نافع الناس اور نہایت درجہ بااخلاق بن جاتے ہیں اور اپنے بہترین اخلاق ہی کی وجہ سے معاشرے میں نیک شہرت رکھتے اور قابلِ اعتماد وجود سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں دیانتداری، عدل وانصاف، انسانیت سے ہمدردی، بدی کے مقابل پر نیکی اور احسان کا سلوک وغیرہ اخلاقِ حسنہ ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ غیر بھی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جس جماعت کا قیام فرمایا اس میں بھی ان اوصافِ حمیدہ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، صحابہ کے دور میں بھی اور بعد کے لوگوں میں بھی۔

امانت ودیانت کا اعلیٰ نمونہ

حضرت منشی عبدالرحمان صاحبؓ آف کپورتھلہ کے بارہ میں تحریر ہے:

"منشی صاحب ایک طویل عرصہ تک ناظر محکمہ جنگی رہے۔ لاکھوں روپے کا حساب کتاب تھا۔ کئی کمانڈر انچیف آئے اور گئے۔ سب منشی صاحب کی دیانت اور خدمت گزاری کے قدردان تھے۔ پچپن سال بعد منشی صاحب سبکدوش ہوئے تو حساب میں کوئی بقایا آپ کے ذمہ نہ تھا......

منشی صاحب بوڑھے ہوگئے۔ روزنامچہ لکھنے کی عادت تھی۔ آپؓ نے یہ دیکھنا چاہا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں ہے۔ روزنامچے کی پڑتال کرتے ہوئے کوئی چالیس سال قبل کا ایک واقعہ درج تھا۔ یعنی منشی صاحب نے ایک غیر احمدی سے مل کر ایک معمولی سی تجارت کی تھی۔ اس کے نفع میں سے بروئے حساب 40 روپے کے قریب منشی صاحب کے ذمہ نکلتے تھے۔ آپ نے یہ رقم حقدار کے نام بذریعہ منی آرڈر بھجوادی۔ تارسید بھی حاصل ہو جائے۔ وہ شخص کپورتھلہ کا رہنے والا تھا اور عجب خاں اس کا نام تھا۔ منی آرڈر وصول ہونے کے بعد وہ اپنی مسجد میں گیا اور لوگوں سے کہا کہ تم احمدیوں کو برا تو کہتے ہو لیکن یہ نمونہ بھی تو کہیں دکھاؤ چالیس سال کا واقعہ ہے اور خود مجھے بھی یاد نہیں کہ میری کوئی رقم منشی صاحب کے ذمہ نکلتی ہے۔"

(اصحاب احمد جلد چہارم۔ صفحہ 15)

مشہور ہوگیا کہ احمدی اکاؤنٹنٹ رشوت نہیں لیتے

محترم مسعود دہلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مجھے کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے ایک بہت کم عقل نوآموز کلرک ملا ہوا تھا۔ وہ چٹھیاں وغیرہ ڈائری میں چڑھانے اور انہیں ڈسپیچ کرنے کا کام کرتا تھا۔ ایک دن وہ بہت مسمسی شکل بنائے میرے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ جب وہ دو ایک منٹ خاموش کھڑا رہا تو میں نے اس سے پوچھا بات کیا ہے میرے سر پر کیوں سوار ہو؟ ڈرتے ڈرتے اس نے زبان کھولی اور بولا جی میں نے ایک ٹھیکیدار سے دس روپے لئے ہیں۔ آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ اس نے میرا نام لے کر یہ رقم اس سے لی ہے۔ اب اسے فکر یہ ہے کہ اگر ٹھیکیدار نے مجھے بتادیا کہ آپ کے کلرک نے آپ کا نام لے کر مجھ سے دس روپے لئے ہیں تو یہ بہت ناراض ہوں گے اور مجھے فارغ ہی نہ کرا دیں۔ میں نے اس ٹھیکیدار سے پوچھا کہ تم سے میرے کلرک نے کیا کہہ کر دس روپے لئے ہیں۔ اس نے کہا: اس نے آپ کا نام لے کر کہا تھا کہ انہوں نے کہا ہے کہ سردار جی سے دس روپے لے آؤ۔ اس نے مزید کہا بات یہ ہے دیوی لال صاحب (کیشئر) نے مجھے پہلے ہی بتادیا تھا کہ نئے اکاؤنٹنٹ صاحب احمدی ہیں اور رشوت نہیں لیتے، انہیں کبھی رشوت دینے اور شیشے میں اتارنے کی کوشش نہ کرنا۔ جونہی اس نے یہ بات کی مَیں فوراً سمجھ گیا کہ پیسوں کی اسے خود ضرورت ہے اس لئے آپ کا نام لے کر یہ حقیر رقم مجھ سے ہتھیانا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تجھے پیسے چاہئیں تو تُو مجھ سے پیسے لے لے لیکن نئے اکاؤنٹنٹ کا نام نہ لے وہ ہرگز رشوت نہیں لیتے اور اگر انہوں نے رشوت لینی ہوتی تو وہ اتنی سی رقم کبھی نہ مانگتے۔ یہ کہہ کر میں نے اسے دس روپے دیدیئے۔ سردار جی سے میں نے کہا میں آپ کو اس سے دس روپے واپس دلوا دیتا ہوں آپ اسے آئندہ بھی کوئی رقم نہ دیں۔ ٹھیکیدار نے کہا پھینکی ہوئی ہڈی کتے کے منہ سے چھیننے کے لئے انسان کو خود کو بھی کتا بننا پڑتا ہے، چھوڑیں اسے اس کے حال پر اگر وہ حرام کھاتا ہے تو کھاتا پھرے۔ میں نے اس ہندو کلرک کو خوب جھاڑ پلائی اور اس سے کہا چونکہ تو نے جھوٹ بول کر یہ رقم سکھ ٹھیکیدار سے لی ہے اس لئے میں تجھے ہضم نہیں کرنے دوں گا۔ میں نے سیکشن کے چپڑاسیوں کو بلا کر تین تین روپے انہیں دلوا دیئے اور اس ہندو کلرک سے کہا باقی چار روپے خود لے لے اور آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔

...... یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل اور بے انتہا کرم ہے کہ ٹریننگ کے دوران میں نے رشوت کے پیسے کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور میرا دامن حرام مال کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہا۔ (سفرِ حیات۔ صفحہ 68 تا 70)

حرام مال سے نفرت

مکرم سمیع اللہ زاہد صاحب اپنے پھوپھا مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب ملہی کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

آپ دیانتدار اور درویش انسان تھے۔ جس طرح خالی ہاتھ بطور پٹواری بھرتی ہوئے تھے اسی طرح خالی ہاتھ پٹواری کے عہدے سے ریٹائر بھی ہوگئے کیونکہ نہ خود رزقِ حرام کو چھوا اور نہ ہی دوسروں کے لئے اس کا وسیلہ بننے کے لئے تیار ہوئے اس لئے محکمانہ ترقی سے محروم رہے۔ شاید گنتی کے چند پٹواریوں میں سے تھے جنہوں نے زندگی بھر کوئی جائیداد نہیں بنائی۔ خاکسار کی پھوپھی امۃ الحیٔ بیان کرتی ہیں کہ ان کی مکرم چوہدری نذیر احمد ملہی صاحب کے ساتھ شادی کو ابھی چند ہفتے ہی ہوئے تھے کہ ایک دن ایک آدمی ملنے کے لئے آیا۔ اسے بیٹھک میں بٹھانے کے کچھ دیر بعد اندر آئے اور میرے ہاتھ میں چالیس ہزار روپے پکڑا کر کہنے لگے کہ اس آدمی کا کام جائز ہے میں نے کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اور وہ یہ چالیس ہزار روپے دینے پر مصر ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ پیسے اٹھائیں اور اسے واپس کر دیں۔ دوزخ کی آگ کو میں تو چھونا بھی پسند

نہیں کرتی۔ وہ کہتی ہیں کہ میرا یہ کہنا تھا کہ پٹواری صاحب جیسے خوشی سے جھوم اٹھے مجھے بار بار شاباش دی اور کہا کہ میں یہ پیسے لینے سے قطعی انکار کرنے کے بعد صرف تمہیں آزمانے کے لئے اس سے لے کر آیا تھا۔ (روزنامہ الفضل 4اگست 2014 صفحہ 5)

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

اللہ والوں کی ایک یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ وہ برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ لوگوں کی طرف سے تکلیف پہنچے تو صبر کرتے ہیں لیکن اگر انہی تکلیف دینے والوں کو ان سے کوئی کام پڑے تو بغیر کسی طنز وطعن اور انتقام کے وہ ان کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ فرماتے ہیں:

اپریل 1932 میں ایسٹر کی تعطیلات میں مَیں والدہ صاحبہ سے ملنے کے لئے لاہور گیا۔ وہاں مجھے ٹیلیفون پر پیغام ملا کہ میاں سر فضل حسین صاحب کا ارشاد ہے کہ دلّی واپس جاتے ہوئے میں شملے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ کالکا سے شملے جاتے ہوئے بار بار موٹر کا ٹائر خراب ہوا اور میں اپنے اندازے کی نسبت تین گھنٹے دیر سے پہنچا۔ میں پریشان تھا کہ میاں صاحب دق ہوں گے کہ میں وقت پر نہیں پہنچا۔ اور ممکن ہے دوپہر کے کھانے پر بھی میرا انتظار کیا ہو۔ میاں نسیم حسین صاحب نے بتایا کہ میاں صاحب تو دو ہفتوں سے صاحبِ فراش ہیں۔ بہت کم نیچے تشریف لاتے ہیں۔ مجھے اپنے کمرے ہی میں طلب کیا اور فرمایا: میری حالت دیکھ لو، مَیں نے لاچار ہو کر وائسرائے سے کہہ دیا ہے کہ مجھے لازماً چار مہینے رخصت پر جانا ہوگا۔ میں نے دریافت کیا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا: ایبٹ آباد میں انتظام کیا ہے۔ میں نے عرض کیا ایبٹ آباد بلندی اور آب و ہوا کے لحاظ سے تو موزوں ہوگا۔ کیونکہ زیادہ بلندی پر نہیں اور آب و ہوا معتدل ہے۔ لیکن اگر چند دن بارش نہ ہو تو سڑکوں پر گرد اڑنے لگتی ہے لہٰذا مکان ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں گرد کی تکلیف نہ ہو۔ فرمایا: ایک مکان مل گیا ہے جو سڑک سے ہٹ کر واقعہ ہے اور اردگرد باغیچہ بھی ہے۔ اب گفتگو اس نہج پر چلنے لگی کہ میاں صاحب کوئی ایسا جملہ فرما دیتے جس کا تعلق ان کے رخصت پر جانے کے ساتھ ہوتا اور میں اس کا لفظی جواب عرض کر دیتا۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ وہ چاہتے ہیں کہ مَیں یہ دریافت کروں کہ ان کی غیر حاضری میں ان کی جگہ کون کام کرے گا۔ مَیں نے تہیہ کر لیا کہ میں یہ سوال نہیں کروں گا۔ اگر وہ بتانا پسند فرمائیں گے تو ٹھیک ہے۔ اتنے میں چائے کا وقت ہو گیا تو میرے لئے چائے اپنے کمرے میں منگوائی۔ آخر فرمایا میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ وزیر ہند کا اصرار ہے کہ تم تیسری گول میز کانفرنس میں ضرور شامل ہو اس لئے تم دلّی جاؤ تو چیف کمشنر سے کہہ دینا کہ تمہیں اب سازش کے مقدمے کی پیروی ترک کرنا ہوگی وہ ابھی سے سوچ لیں کہ تمہاری جگہ کس کا تقرر مناسب ہوگا۔ میں نے عرض کیا آپ کا ارشاد ہے تو میں ایسا ہی کروں گا لیکن مقدمے کی سماعت کی رفتار تو بہت ہی سست ہے۔ پچھلے سال جب میں گول میز کانفرنس میں شمولیت کیلئے لندن گیا تھا تو میری واپسی پر وہی گواہ سلطانی زیر جرح تھا جسے میں زیر جرح چھوڑ گیا تھا۔ چودھری محمد امین صاحب کو میری غیر حاضری میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ فرمایا اب کی بار تمہاری غیر حاضری لمبی ہوگی۔ پہلے چار مہینے میری جگہ کام کرنا ہوگا پھر گول میز کانفرنس میں جانا ہوگا مناسب یہی ہے کہ تم مقدمہ کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاؤ۔ مَیں نے کہا اگر آپ کی جگہ کام کرنا ہوا تو ہر صورت مجھے مقدمے سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ فرمایا میں نے وائسرائے سے بات کر لی ہے۔ وہ رضامند ہے لیکن تم اس انتظام کو پختہ تب ہی سمجھنا جب تمہیں وائسرائے کی طرف سے اطلاع ملے۔ میں نے شکریہ کے اظہار میں کچھ کہنا چاہا لیکن آپ نے ٹال دیا اور مجھے فوراً رخصت کر دیا۔

میری روانگی کا وقت بھی قریب تھا۔ دوسری صبح میں دلّی پہنچ گیا۔ اسی صبح ٹریبیون اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ میاں سر فضل حسین صاحب چار مہینے کی رخصت پر جا رہے ہیں اور اندازہ ہے کہ ان کی جگہ اس عرصے کے لئے لاہور کے ایک وکیل کا تقرر ہوگا۔ یہ خبر پڑھ کر صفدر علی صاحب اسسٹنٹ جیلر نے جو مقدمہ سازش کے ملزمان کو جیل سے عدالت لاتے اور لے جاتے تھے ٹیلیفون پر مجھے کہا مبارک ہو معلوم ہوتا ہے میاں صاحب کی جگہ تمہارا تقرر ہونے والا ہے۔ مَیں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ خبر میں کوئی نام درج نہیں۔ دوسری صبح انہوں نے پھر ٹیلیفون کیا کہ آج نام چھپ گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر سر محمد اقبال کا نام ہے تمہارا نہیں۔ مَیں نے کہا ڈاکٹر صاحب میری نسبت کہیں زیادہ اس کے اہل ہیں۔ اس کے تیسرے دن مجھے وائسرائے کا خط ملا۔ چونکہ معاملہ ابھی تک بصیغہ راز تھا اس لئے لازم تھا کہ جیسے انہوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے خط لکھا تھا میں بھی انہیں اپنے ہاتھ سے جواب لکھوں اور پھر خود ہی ڈاکخانے جا کر خط کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کا انتظام کروں۔ اگر یہ کام کسی اور کے سپرد کرتا تو اندیشہ تھا کہ بات ظاہر ہو جاتی۔ جواب لکھ کر مَیں نے گاڑی کے لئے آواز دی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میری اہلیہ نے بھی میری آواز سن لی اور پوچھا گرمی میں کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا ذرا ڈاکخانے تک ایک خط رجسٹری کرانے جا رہا ہوں۔ کہا عبدالکریم کو کیوں نہیں دے دیتے؟ میں نے کہا یہ کام عبدالکریم کے کرنے کا نہیں۔ ان دنوں میڈنز ہوٹل کے پھاٹک کے بُرج میں ایک چھوٹا سا ڈاکخانہ تھا میں خط وہاں لے گیا اور رجسٹری کرنے کے لئے پیش کیا۔ مجھے رجسٹری کے قواعد کا علم نہ تھا نہ خط رجسٹری کرنے کا تجربہ، بابو صاحب خط دیکھ کر برافروختہ ہوئے۔ شاید پتہ پڑھ کر خیال کیا ہو یہ کوئی منگتا ہے جس کے بگڑے ہوئے دماغ میں خیال آیا ہے کہ چلو وائسرائے ہی سے کچھ مانگ لیں خط میری طرف پھینک کر غصے کے لہجے میں کہا ''آ جاتے ہیں کہیں کے نہ عقل نہ سمجھ۔ یہ لو فارم اسے پُر کر کے لاؤ۔'' میں نے ان سے معذرت کی اور فارم پُر کر کے پیش کر دیا۔ کچھ دنوں بعد جب سرکاری اعلان ہو گیا تو درگاہ داس صاحب نے جو شملہ میں ٹریبیون کے نمائندے تھے اخبار میں لکھا: 'میاں صاحب کی جگہ ایک ادنیٰ درجے کے وکیل کا تقرر ہوا ہے'۔ ایسے واقعات بعد میں بھی کبھی کبھی ہوتے رہے اور ہر بار میں اپنے نفس کو تنبیہ کرتا دیکھنا کہیں گھمنڈ میں نہ آ جانا۔ ہو تم منگتے ہی لیکن اپنے پیدا کرنے والے کے در کے منگتے ہی رہنا انسانوں سے کبھی حاجت روائی نہ چاہنا۔ تم وکیل رہو، یا کچھ اور بنو ہو تم ادنیٰ ہی، اعلیٰ وہی ہے جسے اللہ بلند کرے، تم ادنیٰ ہو اور عاجز ہو اس کے آگے ہر وقت جھکے رہو۔ ...... کئی سال بعد جب میں فیڈرل کورٹ کا جج تھا۔ ایک دن میڈنز ہوٹل کے ڈاکخانے والے بابو صاحب جو ملازمت کی میعاد پوری کر چکے تھے اپنی کسی ذاتی ضرورت کے سلسلے میں مجھے ملنے کے لئے میرے مکان پر تشریف لائے۔ میں کچھ خجل ہوا کہ انہیں یاد آتا ہوگا کہ اسے تو خط رجسٹری کرنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا۔ وہ معمر تھے۔ میں ادب اور تواضع سے پیش آیا اور جو ارشاد انہوں نے فرمایا مَیں نے اس کی تعمیل کر دی۔

(تحدیث نعمت۔ صفحہ 298 تا 300)

پا کے دُکھ آرام دو

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کا بھی ہے۔ آغاز جوانی میں ہی آپ کے والد صاحب کی وفات ہوگئی۔ آپؓ کے پاس کوئی معقول ذریعہ آمد نہ تھا۔ روزگار کی تلاش تھی۔ آپ فرماتے ہیں:

میرے ایک شفیق استاد نے جن سے میں نے فارسی پڑھی تھی۔ ازراہِ ہمدردی فرمایا کہ مجھے ایک آسامی ایک فوجی کرنل محمد رمضان کے ہاں خالی معلوم ہوئی ہے۔ اگر تم کہوتو میں کرنل صاحب سے دریافت کروں کہ وہ ملازمت تمہیں دیدے۔ میں تو حاجتمند تھا ہی۔ عرض کیا کہ ہاں مہربانی فرمادیں۔ اس پر وہ مشفقِ مَن کرنل کے ہاں گئے۔ مگر اس نے ''مرزائی ہے'' کا سوال اٹھادیا۔ وہ خاموش واپس آگئے اور مجھے قصہ بتلایا اور مجھے کچھ اس طرح کہا کہ وہ مجھے اگلے روز پھر کرنل کے پاس لے جائیں گے اور مجھے فرمایا کہ اگر کرنل احمدی ہونے کا دریافت کرے تو تم خاموش رہنا۔ بھلا میرا دل کس طرح یہ گوارا کرسکتا تھا۔ اس کے اندر سے یہ آواز نکلی کہ جناب عالی! یہ تو تیس چالیس روپے کی نوکری ہے۔ میں پانصد روپے کی نوکری پر بھی تھوکتا نہیں کہ اپنی احمدیت چھپانی پڑے۔

اگلے روز حضرت مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانہ سے تشریف لائے۔ انہوں نے یہ ماجرہ سنا اور مجھ سے کہا: کرنل میرا واقف ہے۔ میں تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ مجھے جانتا ہے۔ وہ میرے کہنے سے ملازمت دیدے گا۔ میں جانا نہ چاہتا تھا مگر حضرت مولوی صاحب کے بزرگانہ ارشاد پر ان کے ساتھ چلا گیا۔ جونہی اس کرنل کے بنگلہ کے باہر کے پھاٹک کے قریب پہنچے تو کرنل نے ایک فاصلہ سے ہمیں کھڑے ہوئے دیکھ کر کہا۔ مولانا! مولانا! یہاں کوئی ملازمت نہیں۔ جب ہم ذرا قریب ہوئے تو درشتی کے لہجہ میں کہا کہ میں نے کل ایک سکھ لڑکے کو وہ نوکری دیدی ہے۔ مجھے کرنل کے اس عمل وسلوک سے سخت رنج پہنچا اور اسی حال میں واپس گھر پہنچا اور نماز مغرب ادا کرتے ہوئے پرملال دل میں درد پیدا ہوا اور میں دعا میں لگ گیا۔ شدّت سے دعا کررہا تھا تو یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے کہ یاالٰہی تو مجھے ایسا رزق دے کہ میں کرنل جیسے لوگوں کا محتاج نہ بنوں......

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان بہم پہنچائے کہ آپؓ نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی اور ڈاکٹر بن گئے۔ آپ فرماتے ہیں:

الغرض چارسالہ تعلیم باعزت حاصل کرکے اور کامیاب ہوکر 12 جون 1912ء کو اپنے شہر پٹیالہ کے بہت بڑے ہسپتال میں متعین ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا کام افسروں اور پبلک میں مقبول ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں شہرت قائم ہوگئی۔ میرے سپرد قیمتی سامان والا بہت بڑا اپریشن روم ہوا۔ آنکھ کے مریضوں کی نگہداشت میرے ذمہ لگی اور سپیشل وارڈ میرے سپرد ہوئے گویا زیادہ کاموں اور سامان کی ذمہ داری مجھ پر پڑی۔

چار پانچ سال بعد جب کہ میں اپریشن روم کے باہر چبوترے پر کھڑا تھا کہ دیکھتا ہوں کہ وہی کرنل محمد رمضان سامنے سے میری طرف آرہا ہے جبکہ تقریباً اس قدر فاصلہ رہ گیا جس قدر فاصلہ سے سات آٹھ سال پہلے اس نے مجھے بری طرح دھتکارا تھا۔ تو اس نے جھک کر اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ جناب ڈاکٹر صاحب آداب عرض! مجھے اس وقت اپنے ربّ محسن کا چہرہ نظر آگیا۔ جس نے اس ناچیز احمدی کیلئے اس قدر غیرت دکھلائی کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ایک ایسے شخص کو آج میرے سامنے غرض مند سائل کے طور پر لا رہا ہے اور اس سے مؤدبانہ سلام کروا رہا ہے کہ جس نے فرعونیت دکھلائی تھی اور محض اس لئے دکھلائی تھی کہ میں احمدی تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کے اپنے دعویٰ میں سچا مان کر ایمان لائے ہوئے تھا۔ اس وقت میرا دل شکرِ ربی سے اس قدر بھر گیا کہ جی چاہتا تھا کہ شکر کرتا ہوا زمین میں دفن ہوجاؤں۔ یعنی اس کی خدائی پر اس ایمان پر میرا خاتمہ ہوجائے۔ وہ کرنل آگے بڑھا اور مجھ سے یوں ملتجی ہوا کہ ڈاکٹر صاحب! میرے فلاں بزرگ کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے۔ براہ مہربانی اس کا خیال رکھیں۔ میرے ربّ نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا محسن رب ہے مجھے توفیق دی کہ میں اس کے ساتھ نیک سلوک کروں۔ چنانچہ میں نے اس کو تسلی دی اور اس کے حسب منشاء کام کرنے کا وعدہ کیا۔ میں اپنے ربّ کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس کا گزشتہ سلوک جتلانے سے قطعاً روک دیا بلکہ احسان کرنے کی توفیق دی۔ وللہ الحمد۔

(ماخوذ از اصحاب احمد جلد 8 صفحہ 104 تا 105 وصفحہ 119)

ایک ہندو پر نیکی کا گہرا اثر

محترم مرزا منظور احمد صاحب قادیانی بیان کرتے ہیں:

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ غالباً فیروز پور میں متعین تھے کہ آپؓ کی عدالت میں ایک ہندو کا مقدمہ پیش ہوا۔ اپنے کیس کی کمزوری اور ناجائز حربوں کے استعمال میں ناکامی کے پیش نظر اسے یقین تھا کہ اس کیس کا فیصلہ اس کے حق میں نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس نے عدالت اعلیٰ میں درخواست کی کہ کیونکہ مجھے مرزا صاحب سے بوجہ ان کے مسلمان ہونے کے انصاف کی توقع نہیں اس لئے میرا یہ مقدمہ کسی اور عدالت میں منتقل کیا جائے۔ اور علاوہ ازیں اس نے ہندو اخبارات میں بھی بڑا پراپیگنڈا کیا کہ مرزا عزیز احمد بڑا متعصب مسلمان ہے اس لئے ایک ہندو کے مقدمہ میں اس جج سے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جب اعلیٰ عدالت میں یہ درخواست پیش ہوئی تو دلائل سننے کے بعد اس نے فیصلہ دیا کہ ہمارے سامنے کوئی ٹھوس وجہ ایسی پیش نہیں کی گئی جس کی بنا پر یہ مقدمہ کسی اور جج کے سپرد کیا جائے اس لئے اس مقدمہ کی سماعت مرزا عزیز احمد صاحب ہی کریں گے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس درخواست کی وجہ سے اور اخبارات میں اُس کی طرف سے زہریلے پراپیگنڈا کی وجہ سے میرے دل میں لاشعوری طور پر اُس ہندو کے خلاف جذبات پیدا ہوگئے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ شروع مقدمہ میں ہی اُس ہندو کو سزا دینے کے لئے اپنے دلائل کو مضبوط کرتا رہا تا آنکہ اس مقدمہ کی سماعت مکمل ہوگئی۔ فیصلہ کا دن مقرر کردیا گیا۔ مَیں اپنے چیمبر میں بیٹھ کر دیر تک فیصلہ قلم بند کرتا رہا اور فیصلہ میں اُس کے لئے انتہائی سزا تجویز کرتے ہوئے فائل کو اپنی نگرانی میں گھر لے آیا۔ رات کو سوتے وقت وہ فائل اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی۔ نصف شب کا وقت ہوگا کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے اپنی گرفت میں لے کر اتنی زور سے بھینچا کہ میرا انگ انگ ٹوٹنے لگا اور ساتھ ہی یہ پُرشوکت آواز آئی کہ ''اتنا غلط فیصلہ''۔ اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ سارا جسم خوف اور پسینہ سے شرابور تھا۔ گھر والوں کو جگایا۔ پانی پیا جب ہوش آیا تو اسی وقت وضو کرکے دو نفل ادا کئے۔ بڑا استغفار کیا۔ دعائیں کیں اور سوچنے لگا کہ یہ

نظارہ کس کے متعلق تھا اور میں نے کونسا غلط فیصلہ کیا ہے۔ معاً توجہ تکیہ کے نیچے پڑی ہوئی فائل کی طرف گئی۔ مَیں نے اس ہندو کے مقدمہ کے فیصلہ کو پڑھنا شروع کیا۔ جب اس فیصلہ کو پڑھا تو مجھے اس میں بڑے سقم نظر آئے اور میں نے محسوس کیا کہ واقعی یہ غلط فیصلہ ہے۔ چنانچہ مَیں نے اس فیصلہ کو پھاڑ دیا اور ایک نیا فیصلہ لکھا۔ اس کے بعد بڑی ہی پُرسکون نیند آئی۔

دوسرے روز جب آپؓ عدالت جارہے تھے تو ڈرائیور کو حکم دیا کہ موٹر کو اُس لان کی طرف لے چلو جہاں وکلاء بیٹھتے ہیں۔ وہاں کافی وکلاء جمع تھے۔ آپؓ موٹر سے اُتر کر ان کی طرف گئے۔ انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ آپؓ نے فرمایا آج میں ایک نہایت اہم فیصلہ کرنے والا ہوں لہٰذا آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ اس فیصلہ کو سننے کے لئے آئیں۔ اس دن وہ ہندو اپنے گھر سے بخش بخشوا کر عدالت میں آیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ سزا سے کسی صورت بچ نہیں سکتا۔ اس کے اعزا و اقرباء بھی کافی تعداد میں جمع تھے۔ وہ بڑی گھبراہٹ اور بے چینی سے اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہا۔ اور اپنی جیب سے ایک ایک چیز نکال کے اپنے عزیزوں کو اس خدشہ کے تحت دیتا جاتا کہ نامعلوم اب کتنی لمبی مدت کے لئے زنداں میں رہنا ہوگا۔ عدالت سے جب اُس کا نام پکارا گیا تو وہ کپکپاتے اور ڈگمگاتے قدموں سے کمرہ عدالت میں داخل ہوا۔ سب وکلاء اور ناظرین کی نظریں جج پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ اس ہندو کی انتقال مقدمہ کی درخواست اور اخبارات میں معزز جج کے خلاف پراپیگنڈا کی بنا پر ہر ایک کا خیال تھا کہ آج اُس کو سخت سزا سننا ہوگی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: کیوں لالہ جی! آ گئے۔ وہ کہنے لگا: حضور! حاضر ہوں۔ آپؓ نے فرمایا: لالہ جی آپ نے بڑا زور لگایا کہ مقدمہ کسی اور کے پاس چلا جائے اور خوب مخالفانہ پراپیگنڈا بھی کیا لیکن آپ کی ایک نہ چلی اور آخر کار میرے پاس ہی پھنسے۔ ہندو لالہ کو اپنا بھیانک انجام نظروں کے سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا رنگ فق ہوتا جارہا تھا اور صاحبزادہ صاحب فرماتے جارہے تھے: لالہ جی تم نے بھی بڑا زور لگایا لیکن اس کے باوجود ہم آپ کو باعزت بری کرتے ہیں۔ اس ہندو کا یہ سننا تھا کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا اور کمرۂ عدالت میں موجود ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ''آج انصاف کی حد ہوگئی''۔

ایک دن حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے نوکروں نے آپ کو بتایا کہ جب آپ عدالت سے کوٹھی میں واپس آتے ہیں تو اس وقت ایک سایہ سا ہے جو کوٹھی کی چار دیواری سے نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا پیچھا کرو اور پکڑ لاؤ۔ دوسرے دن وہی سایہ نظر آیا۔ نوکر جو پہلے ہی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے اسے پکڑ کر آپ کے پاس لے آئے۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ یہ تو وہی ہندو ہے جسے آپ نے بری کیا تھا۔ آپؓ نے نوکروں کو فرمایا اسے چھوڑ دو اور میرے پاس آنے دو۔ آپ نے پوچھا کہ لالہ جی کیا بات ہے آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ہندو کہنے لگا: مہاراج میں آپ کو سچ سچ بتاؤں کہ میں کیوں ایسا کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ مجھے آپ ایک دیوتا معلوم ہوتے ہیں۔ میرے من میں آپ کے دیدار کے لئے ایک آگ سی لگی رہتی ہے اور جب تک آپ کو دیکھ نہ لوں مجھے کسی پل آرام نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا تو پھر تمہیں چوروں کی طرح جھانکنے کی ضرورت نہیں اور ہاتھ بڑھا کر کہا آؤ آج سے ہم اور آپ دوست بنتے ہیں۔ آپ ہر وقت بلا روک ٹوک مجھے مل سکتے ہیں۔ آپ پر کوئی پابندی نہیں۔ اور اس طرح ایک ہندو آپ کی نیکی و پارسائی اور دیانتداری کی وجہ سے تاعمر آپ کا غلام بے دام بن گیا۔'' (ماہنامہ انصاراللہ۔ اکتوبر 2013 صفحہ 25 تا 27)

مخالف مولوی اخلاق سے متاثر ہو کر رو پڑا

مکرم سمیع اللہ صاحب شہید کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے مکرم رانا ظفراللہ صاحب تحریر کرتے ہیں: آپ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ آپ کے ڈیرہ کے قریب ایک گوٹھ میں ایک سخت معاند مولوی رہتا تھا جو اکثر آپ کا نام لے کر آپ کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا تھا۔ لیکن آپ کبھی اس کی باتوں کا برا نہیں مناتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات دکان سے لیٹ گھر آ رہا تھا۔ اندھیری رات تھی کیا دیکھا کہ ایک آدمی اور اس کے ساتھ ایک عورت سڑک پر کھڑی ہے۔ اس نے ہاتھ دیا۔ مَیں نے موٹر سائیکل کی روشنی میں دیکھ لیا کہ یہ وہی مولوی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ اور مجھے گالیاں دیتا ہے۔ فوری طور پر بریک لگائی۔ وہ مولوی التجا کر رہا تھا کہ اُس کی بیوی بیمار ہے اور اس کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ پیچھے بیٹھ جائیں اور اپنی بیگم کو ساتھ بٹھالیں۔ جب وہ بیٹھ گئے تو کچھ دیر کے بعد اس کے رونے کی آواز آنے لگی۔ مَیں نے کہا خیر ہو مولوی صاحب کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ آج اس وقت کوئی بھی ہوتا مجھے کبھی نہ اٹھاتا اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ شخص جس کو میں روزانہ گالیاں دیتا ہوں اس کا حوصلہ کتنا ہے کہ اس نے مجھے پہچان کر پھر بھی بریک لگالی اور میری مدد کی۔ آپ نے کہا کہ یہ تو میرا فرض ہے۔ پھر نہ صرف اُس کی بیوی کو ہسپتال داخل کرایا بلکہ مولوی صاحب کو ساتھ لے کر میڈیکل سٹور والے کے پاس آئے اور اس کو کہا کہ یہ مولوی صاحب جو دوائی لیں ان کو دے دیں پیسے میں ادا کروں گا۔

کہتے ہیں کہ پھر وہ مولوی صاحب آپ کے اتنا گرویدہ ہوئے کہ کبھی ان کے خلاف بات نہ کی اور اس طرح آپ نے اس کا دل جیت لیا۔ وہ کبھی کبھی آپ کی دکان پر بھی آتا تھا۔ آپ اس کی تواضع کرتے اور ساتھ تبلیغ بھی کرتے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ۔ 10 اکتوبر 2010 صفحہ 10)

بس آپ کی اسی بات کا جواب ہمارے پاس نہیں

مجلس احرار کے سرگرم رکن شورش کاشمیری صاحب ایک ملاقات میں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب سے کہنے لگے مولانا! آپ لوگوں (یعنی احمدیوں) کی ہر بات کا جواب ہمارے پاس ہے سوائے ایک بات کے۔ پھر ایک واقعہ سنایا کہ قیامِ پاکستان سے پہلے انہوں نے ایک سیاسی جلسہ میں انگریز حکومت کے خلاف دھواں دھار تقریر کی۔ چنانچہ توقع کے عین مطابق جلسہ کے فوراً بعد پولیس نے آپ کو گرفتار کرلیا اور جب ریل پر سوار کرا کے کسی دوسرے شہر لے جانے لگے تو عجب منظر دیکھنے میں آیا کہ گاڑی روانہ ہونے والی ہے اور شورش صاحب کو ہتھکڑی لگائے پولیس کے سپاہی گاڑی کے ڈبہ کے دروازہ میں کھڑے ہیں۔ ریلوے پلیٹ فارم پر موجود بہت سے شہری بھی انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے۔ شورش صاحب نے مولوی صاحب کو بتایا کہ اس مرحلہ پر انہیں خیال آیا کہ پولیس نہ جانے انہیں کہاں لے جائے اور پھر ان کی جیب میں موجود نقدی اور کلائی پر بندھی گھڑی پولیس کے ہاتھوں ضائع ہونے کا امکان ہے۔ چنانچہ بہتر ہوگا اگر یہ پولیس کی بجائے کسی

ضرورت مند کے کام آجائے۔ چنانچہ انہوں نے قریب جمع لوگوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا کہ ان میں سے کون کون حلیہ وضع قطع اور لباس سے مسلمان نظر آتا ہے۔ اس زمانہ میں یہ امتیاز بڑا واضح ہوا کرتا تھا۔ پھر ان مسلمانوں میں سے ایک کو خاص طور پر منتخب کر لیا جوان کی نظر میں ''بہتر مسلمان'' دکھائی دیتا تھا۔ اسی دوران گاڑی چلنے لگی تو شورش صاحب نے اس شخص کو اشارہ سے اپنے پاس بلایا اور اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پولیس سے نظر بچا کر نقدی اور گھڑی اس کے حوالہ کر دی کہ اس کے کام آجائے۔ اس سے پیشتر کہ کچھ کہنا ممکن ہوتا گاڑی روانہ ہوگئی۔

اس وقت دونوں کو ایک دوسرے کا اتا پتہ کچھ معلوم نہ تھا۔ بہرحال مقدمہ چلا اور جب کئی ماہ کی جیل کاٹنے اور پھر رہائی کے بعد شورش صاحب اپنے گھر کے بیرونی صحن میں تھے تو بظاہر نامعلوم صاحب نے آکر انہیں سلام کیا اور ایک رومال میں لپٹی ہوئی کوئی چیز انہیں پیش کر کے کہا جناب اپنی امانت واپس لے لیجئے۔ شورش صاحب نے کہا میاں! میں تو آپ کو جانتا تک نہیں پھر امانت کی واپسی کیسی؟ چنانچہ نو وارد نے انہیں سارا واقعہ یاد دلایا اور شورش صاحب کو بھی یاد آ گیا تو کہنے لگے میں نے تو آپ کو ایک نیک دل مسلمان بھائی سمجھ کر تحفہ دیا تھا نہ کہ بطور امانت واپسی کے لئے۔ نو وارد کہنے لگا یہ بات آپ کے دل میں ہی ہوگی۔ گاڑی روانہ ہونے کی وجہ سے آپ کچھ نہ کہہ سکے یوں بھی آپ پولیس کی حراست میں تھے۔ بہرحال میں نے تو اسے امانت سمجھ کر وصول کیا، اسے سنبھال کر رکھا اور آج واپس کرنے آیا ہوں۔

شورش صاحب نے بتایا کہ وہ نو وارد کی یہ داستان سن کر بہت حیران ہوئے کہ اس زمانہ میں بھی کوئی ایسا باضمیر اور ذمہ دار مسلمان ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے نو وارد سے مزید دریافت کیا کہ اسے آپ کی رہائی اور قیام گاہ کا کیسے پتہ چلا؟ نو وارد نے انہیں بتایا کہ وہ اخبارات کا مطالعہ کرتا رہتا ہے اور اسے اخبارات سے ہی پتہ چلا کہ انہیں کتنی قید ہوئی ہے اور پھر اب رہا ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر سے پتہ کرتے کراتے شورش صاحب کے گھر امانت لے کر حاضر ہو گیا۔ شورش صاحب نے مولوی صاحب کو بتایا کہ وہ یہ سب کچھ نو وارد سے جان کر مزید حیران ہوئے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی امانت و دیانت کی ایسی اعلیٰ مثال مل سکتی ہے۔ چنانچہ شورش صاحب نے بے اختیار ہو کر نو وارد سے پوچھا کہ جناب آپ ہیں کون؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں احمدی ہوں۔ شورش صاحب سارا واقعہ سنا کر کہنے لگے کہ مولانا! بس آپ لوگوں کی اسی بات کا جواب ہمارے پاس نہیں۔

(حیات خالد، صفحہ 395 تا 396)

دعا کر کے فیصلہ

محترم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اکثر گرمیوں میں حضرت مصلح موعودؓ کلر کہار کے نزدیک ایک جگہ جس کا نام جابہ رکھا تھا وہاں جا کر کچھ عرصہ کے لئے قیام فرمایا کرتے تھے۔ اور وہیں پر آپ کا دفتر بھی ہوا کرتا تھا۔ 1957ء میں آپؓ نے مجھے وہاں طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا۔ نماز ظہر کا وقت تھا۔ حضورؓ نے فرمایا ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔ نماز کے بعد میں حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ وہاں پر ایک اور دوست بھی بیٹھے تھے۔ ان سے تعارف ہوا۔ ان کا نام چوہدری عاظم علی تھا اور وہ سیشن جج تھے۔ کھانا کھانے کے بعد حضورؓ نے اپنے باغ ناصر آباد سندھ کے آم کٹوائے اور ہمیں بھی کھلائے۔ اس کے بعد میں نے اور چوہدری عاظم علی صاحب نے اجازت طلب کی۔ ہم دونوں وہاں سے ایک ہی بس میں سوار ہو کر سرگودھا کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں مَیں نے ان سے کہا کہ آپ کسی کی سفارش نہیں مانتے حتیٰ کہ اپنے والد صاحب کی بھی نہیں تو مجھے اپنی زندگی کا کوئی واقعہ سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ ایک قتل کا مقدمہ میری عدالت میں آیا۔ مقدمہ کی کارروائی اور گواہوں کے بیانات کے بعد میں نے ملزم کو پھانسی کی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ ملزم کے وکیل کو اس بات کا اندازہ ہو گیا اور اُس نے یہ بات جا کر ملزم کی والدہ کو بتا دی کہ ہم کیس ہار گئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جج صاحب اب پھانسی کی سزا دیدیں۔ مَیں ابھی فیصلہ لکھوانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میرا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ کسی کو بھی پھانسی کی سزا کا فیصلہ کرنے سے پہلے نفل پڑھا کرتا تھا۔ اب بھی جب میں نفل پڑھ چکا تو باہر سے بڑی آہ و بکا کی آوازیں آئیں۔ سپاہی کو پتہ کرنے کے لئے باہر بھیجا۔ سپاہی نے آکر بتایا کہ باہر اُسی ملزم کی ماں ہے اور فریاد کر رہی ہے۔ میں نے اس وقت فیصلہ نہ لکھوایا اور گھر چلا گیا۔ رات کو تہجد پڑھی اور دعا کی کہ خدا مجھے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔ اسی رات مجھے کشف میں سارے حالات نظر آئے کہ وہ قتل کیسے ہوا اور آلۂ قتل کہاں ہے۔ مَیں نے فوراً پولیس کو ہدایات دیں کہ اُس متعلقہ گاؤں کی ناکہ بندی کی جائے تاکہ وہاں سے کوئی فرار نہ ہو سکے۔ پولیس افسران میری اس ہدایت پر حیران ہوئے اور تمسخر اُڑانے لگے۔ بہرحال ناکہ بندی ہوئی اور مَیں اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک نہر کا پُل نظر آیا جو کہ وہی پُل تھا جو میں نے کشف میں دیکھا تھا۔ پُل پر رُک کر میں نے سپاہی کو کہا پُل سے اتنے فاصلے پر کھدائی کریں۔ کھدائی کرنے پر وہاں سے آلۂ قتل اور مقتول کے خون آلود کپڑے بھی برآمد ہوئے۔ وہاں سے ہم گاؤں میں داخل ہوئے اور میری نشاندہی پر دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا جنہوں نے بعد میں اقرار جرم کر لیا۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ان دونوں آدمیوں نے جائیداد کے حصول کے لئے اس بے گناہ کو پھنسایا تھا تاکہ اس کے پھانسی چڑھنے سے ان کو اس کی ساری جائیداد مل جائے۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھوں ایک ماں کی فریاد کے نتیجہ میں ایک بے گناہ کو پھانسی کے تختے پر چڑھانے سے بچا لیا۔ (یادِ حبیب صفحہ 221 تا 223)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔'' (سیرت المہدی جلد اول صفحہ 146)

آپ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''میرے لئے یہ عمل کافی ہے کہ ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے اور ہزار ہا لوگوں میں بعد بیعت میں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے ہرگز ایسا صاف نہیں ہو سکتا۔ اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزار ہا صادق اور وفادار مرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں کہ ایک ایک فرد ان میں بجائے ایک ایک نشان کے ہے۔'' (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 249)

پس یہ وہ روحانی تبدیلی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے متبعین کے وجودوں میں آپ کو ماننے کی برکت سے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کمزوریاں دور کرنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعلیٰ نمونے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیارے ابا جان مرحوم و مغفور کی پیاری یادیں

حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری رضی اللہ عنہ

(مکرم عطاء المجیب راشد صاحب ،لندن)

میرے پیارے ابا جان مرحوم و مغفور، حضرت خالدِ احمدیت مولانا ابوالعطاء جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال پر 37 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن ان کی محبت بھری دلکش اور حسین یادیں ہمیشہ کی طرح تروتازہ ہیں۔ اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی چند ایک واقعات اور تاثرات بیان کرتا ہوں اور قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ حضرت ابا جانؓ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجاتِ قربِ الٰہی کو بڑھاتا چلا جائے اور اپنی رضا کی جنتوں میں عطاءً غیر مجذوذ سے نوازے آمین۔

تعلق باللہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت ابا جانؓ مرحوم و مغفور صاحبِ کشوف و الہام بزرگ تھے۔ رویائے صادقہ بہت کثرت سے دیکھتے لیکن طبیعت میں ایسی انکساری اور خاکساری تھی کہ ان عظیم انعامات کا بہت ہی کم ذکر فرماتے۔ اکثر اس ذاتی تعلق باری تعالیٰ کا اخفاء ہی پسند فرماتے اور یہی اللہ تعالیٰ کے سچے مومن بندوں کا عام طریق ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر ان انعامات کا ذکر آپ کی زبان سے میں نے سنا ہے لیکن ہر بار یہ ذکر اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد سے لبریز جذبات کے ساتھ ہوتا نہ کہ اپنی ذات کو نمایاں کرنے یا تفاخر کی غرض سے۔

1953ء کے خطرناک حالات میں ہر احمدی مجسم دعا بنا ہوا تھا۔ حضرت ابا جانؓ نے ان حالات کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ ان دنوں میں دشمنوں کے خطرناک منصوبوں کی خبریں ہر روز موصول ہوتی تھیں۔ ان اطلاعات پر ایک مرکزی کمیٹی میں غور وفکر کیا جاتا، مشورے ہوتے اور ضروری تدابیر اختیار کی جاتیں۔ آپ فرماتے تھے کہ ان پریشان کر دینے والی خوفناک اطلاعات سے طبیعت بہت فکر مند رہتی اور دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ ہوتی۔ ایک روز بہت فکرمندی کا عالم تھا۔ خوب دعا کا موقع ملا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ تسلی دی کہ ان ساری مشکلات کے بادل چھٹ جائیں گے اور ان مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ جماعت کی حفاظت فرمائے گا۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت ابا جان نے اپنے اس الہام کا ذکر فرمایا کہ اِنَّا نُنَفِّسُ کُلَّ کُرُبَۃٍ مِنْ کُرُبَاتِ الدُّنْیَا کہ دنیا کی سب مشکلات اور آزمائشوں کو ہم پھونک سے اڑا کر رکھ دیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خدائی وعدہ بڑی شان سے پورا ہوا اور ہوتا چلا جا رہا ہے۔

توکل علی اللہ

مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی ربوہ نے ایک مجلس میں مجھ سے ذکر فرمایا کہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھریؓ نے ان سے ایک موقع پر ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس الہام سے نوازا ہے: سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّل کہ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابا جانؓ کی زندگی میں توکل علی اللہ کا پہلو بہت نمایاں طور پر ساری زندگی جلوہ گر رہا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ یقین ایک میخ کی طرح آپ کے دل میں گڑا ہوا تھا۔ ہمیشہ اسی قادر وتوانا خدا کو اوّل و آخر اپنا معین ومددگار یقین کرتے اور ایک سچے موحد کی طرح ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے اور اسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے۔ غیر اللہ کو پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہ دیتے تھے۔ واقعی ایک سچے اور کامل متوکل بندۂ خدا تھے۔

گھر میں ہم بہن بھائی اپنی تعلیمی ضروریات کے لئے رقم لینے کے لئے آپ کے پاس جاتے۔ جا کر ابا جان سے کہتے کہ ہمیں اتنی رقم کی ضرورت ہے تو آپ جیب میں ہاتھ ڈالتے۔ رقم ہوتی تو فوراً دے دیتے اور اگر نہ ہوتی۔ اور ایسے مواقع بہت کثرت سے ہوا کرتے تھے۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ اچھا کل رقم لے لینا۔ ہمارے ابا جان واقف زندگی تھے۔ دنیاوی لحاظ سے مال دار نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ پر یقین اور توکل کی دولت سے بھرپور تھے۔ اگلے روز ہم جاتے تو اسی طرح جیب میں ہاتھ ڈالتے اور ہماری مطلوبہ رقم بڑی خوشی سے ہمیں دے دیتے۔ ہم بہن بھائی اکثر آپس میں یہ بات کرتے کہ یہ کیا بات ہے کہ ابا جان کے پاس آج رقم نہیں ہے تو کل کہاں سے آجائے گی۔ ہم سوچتے اور آپس میں اظہار بھی کرتے کہ شاید ابا جان کے پاس پیسے بنانے کی کوئی مشین ہے جو آپ رات کو چلاتے ہیں اور صبح ہوتی ہے تو رقم تیار مل جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی ایسی مادی مشین تو آپ کے پاس نہ تھی البتہ رات کی تاریکی میں چلنے والی دعا، یقین اور توکل کی مشین ضرور تھی اور یہی آپ کی سب سے قیمتی متاع تھی۔

محبتِ الٰہی سے بھرپور زندگی

حضرت ابا جانؓ نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک مکمل اور کامیاب زندگی گزاری۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کے سایہ میں، خدمت دین سے بھرپور اور خدائی تائیدات سے معمور ایسی پُرسکون اور روحانی زندگی گزاری جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک نفس مطمئنہ عطا فرما دیا تھا۔ آپ دنیا میں رہے لیکن دنیا سے الگ رہے۔ دنیا کی محبت کلیۃً سرد ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہر چیز پر غالب تھی۔ اس کیفیت میں زندگی کی ہر مشکل اور مصیبت آسان ہو جاتی اور دل ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے شکر سے بھرا رہتا۔ یہ پُرسکون زندگی خوشیوں کی آماجگاہ تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا جیتا جاگتا نمونہ۔

آپ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہر چیز پر مقدم تھی۔ آپ زندگی بھر اس بات کا قولاً اور عملاً درس دیتے رہے کہ ایک ہی ہے جس کی ذات اور جس کی وفا بھروسہ کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ پر زندہ یقین آپ کی زندگی کا مرکزی نقطہ تھا۔ اس حی و قیوم خدا پر کامل بھروسہ آپ کا شعار تھا۔ ہمیشہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط رکھو کہ وہی ہے جو سب سے زیادہ وفا کرنے والا اور

ہر مشکل گھڑی میں ساتھ دینے والا ہے۔ دنیا اور اہل دنیا پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔

نمازوں کا اہتمام

ہر سچا احمدی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نمازوں کا اہتمام کرنے والا ہوتا ہے۔ حضرت اباجان کی زندگی میں یہ وصف بہت ہی نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ دارالرحمت وسطی میں ہمارا مکان ''بیت العطاء'' ایسی جگہ پر واقع تھا کہ دو محلوں کی مسجدوں کے درمیان میں پڑتا تھا۔ دارالرحمت وسطی کی مسجد نصرت ایک طرف اور دارالرحمت غربی کی مسجد ناصر دوسری طرف۔ اباجان کا اور ہم سب کا طریق یہی تھا کہ ہم دونوں مسجدوں میں نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ سہولت کے لئے اباجان کی ہدایت پر ہم نے گھر کے برآمدہ میں ایک بورڈ بنا کر لگایا ہوا تھا جس میں دونوں مسجدوں میں نمازوں کے اوقات لکھے ہوتے تھے تاکہ وقت کے لحاظ سے جہاں سہولت ہو نماز ادا کر لی جائے اور نماز باجماعت مل جائے۔ حضرت اباجان کے نمازوں کے اہتمام کو دیکھ کر ہمیشہ وہ حدیث یاد آتی کہ مومن کا دل تو گویا مسجد میں لٹکا رہتا ہے اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار رہتا ہے۔ آپ بڑی محبت اور چاہت سے مسجد جا کر نمازیں ادا فرماتے۔ مجھے یاد ہے کہ موسم گرما میں بعض اوقات اتنی شدید گرمی ہو جاتی تھی کہ بسا اوقات دل کرتا تھا کہ نماز گھر پہ ہی ادا کر لی جائے۔ ایسی شدید گرمی میں بھی حضرت اباجان سر پر تولیہ لپیٹ کر پانی کا گلاس پی کر نماز کیلئے مسجد تشریف لے جاتے اور کئی بار میں نے سنا کہ آپ سخت گرمی کے حوالے سے ایسے موقعوں پر اس آیت کریمہ کا ذکر فرماتے نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا کہ جہنم کی آگ اپنی حرارت میں بہت ہی شدید ہے۔ جن لوگوں کو ربوہ یا کسی اور علاقہ کی شدید گرمی کا تجربہ ہو وہ صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسی شدید گرمی میں نماز کے لئے مسجد جانا کتنا مشکل ہوتا ہے اور ایسی گرمی میں مسجد جا کر نماز ادا کرنے کا کتنا ثواب ہوتا ہوگا۔

درس القرآن

حضرت اباجانؒ کا درس القرآن بہت مقبول تھا۔ بہت معلوماتی اور دلچسپ ہوتا تھا۔ تلاوت قرآن مجید کا بھی ایک خاص دلربا انداز تھا۔ ترجمہ اور تفسیر بھی وقت کی رعایت سے بہت جامعیت سے بیان فرماتے تھے۔ بہت پرانی بات ہے ایک رمضان المبارک میں آپ کے درس کے دن آنے والے تھے مجھے خیال آیا کہ اباجان کا درس ریکارڈ کروالیا جائے (ان دنوں ابھی ریکارڈنگ کا طریق اس قدر رائج نہیں تھا) اس خیال سے کہ اباجان کو اس ریکارڈنگ کا پتہ نہ چلے اور درس اپنے اصل معروف انداز میں ہی ریکارڈ ہو جائے میں نے مکرم قاضی عزیز احمد صاحب انچارج لاؤڈ سپیکر سے درخواست کی کہ سارا درس ایک ٹیپ پر ریکارڈ کر دیں اور اس طریق پر کریں کہ حضرت اباجانؒ کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ میں نے ٹیپ ان کو خرید کر دی اور انہوں نے ایمپلی فائر سے براہ راست سارا درس جو تین یا چار دن کا تھا ریکارڈ کر دیا۔ درس کے آخری روز گھر آنے پر میں نے اباجان کو بتایا کہ آپ کا سارا درس میں نے ریکارڈ کروالیا ہے تو فرمانے لگے کہ بتا تو دینا تھا کہ ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔ میں نے تو درس میں چند لطائف بھی سنا دئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اسی لئے تو آپ کو پہلے سے بتایا نہیں تھا کہ آپ کے اصلی انداز میں ریکارڈنگ ہو سکے۔ سو الحمدللہ کہ یہ ریکارڈنگ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اسی ریکارڈنگ سے لے کر صرف تلاوت کی ایک الگ آڈیو ٹیپ بھی تیار کر لی گئی ہے۔

عربی زبان کی مہارت

حضرت اباجان مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان بولنے کا خوب ملکہ عطا فرمایا تھا۔ میں نے آپ کو بعض موقعوں پر مختصر خطاب کرتے اور بعض عرب دوستوں سے عربی میں گفتگو کرتے سنا ہے۔ آپ بہت روانی اور بے تکلفی سے گفتگو فرماتے تھے۔ لندن میں قیام کے دوران فلسطین، شام، مصر اور اردن سے آنے والے پرانے عرب احمدیوں نے دیگر امور کے علاوہ حضرت اباجان کی عربی دانی اور زور دار تقریر کا بہت کثرت سے مجھ سے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میدان میں جو غیر معمولی استعداد عطا فرمائی تھی اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ میں نے بارہا آپ کی زبانی سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ وہاں ایک بڑے ہال میں اس موضوع پر پبلک جلسہ ہو رہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہے، اس ملک میں عربی زبان کو فروغ دینا چاہئے۔ میں نے چند دوستوں کو ساتھ لیا اور فوراً اس جلسہ میں جا شامل ہوا۔ جلسہ کی کارروائی سن کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ بات تو عربی زبان کے فروغ کی ہو رہی ہے لیکن عرب مہمانوں کے سوا باقی سب پاکستانی مقررین تقاریر اردو میں کر رہے ہیں۔ خیر میں کارروائی سنتا رہا۔ بہت زور دار تقاریر ہوئیں۔ تقاریر کے آخر میں صاحب صدر کے خطاب سے قبل یہ اعلان ہوا کہ سامعین میں سے اگر کوئی شخص کوئی بات کہنا چاہتا ہے تو موقع دیا جا سکتا ہے۔ میں نے جھٹ اپنے نام کی چٹ بھجوا دی۔ فوراً ہی مجھے بلا لیا گیا۔ میں سٹیج پر گیا اور میں نے عربی زبان میں فی البدیہہ تقریر کی۔ میں نے کہا کہ واقعی پاکستان میں عربی زبان کو فروغ دینا چاہئے۔ آیات اور احادیث کے حوالوں کے علاوہ عربی کے ام الالسنہ ہونے کا بھی ذکر کیا۔ چند منٹ کی تقریر تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص توفیق عطا فرمائی۔

میری تقریر کے بعد آخر میں صاحب صدر کا خطاب تھا جو کسی عرب ملک کے تھے۔ انہوں نے میری تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ تقریر سن کر اتنی خوشی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ جب یہ پاکستانی شخص (جس کو میں نہیں جانتا) سٹیج پر آیا اور بجائے اردو کے عربی میں تقریر شروع کر دی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ پاکستانی شخص کیسے عربی بول سکے گا۔ میں نے دل میں ارادہ کیا کہ کاغذ قلم لے کر اس کی تقریر میں عربی زبان کی غلطیاں نوٹ کرتا جاؤں۔ چنانچہ میں نے بہت غور سے اس کی تقریر سننی شروع کی اور مجھے یہ کہتے ہوئے بہت ہی خوشی ہو رہی ہے کہ میں اس غیر عرب پاکستانی کی ساری عربی تقریر میں ایک غلطی بھی نہیں ڈھونڈ سکا اور میں اپنی اس کوشش میں بری طرح ناکام ہو گیا ہوں۔ ایک پاکستانی کی زبان سے ایسی شاندار عربی سن کر میں حیران ہو گیا ہوں اور صمیم قلب سے سارے پاکستانیوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان میں اس لیاقت اور قابلیت کے افراد موجود ہیں۔

حضرت اباجانؒ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اجلاس ختم ہوا تو حاضرین جلسہ نے مجھے گھیر لیا اور پرتپاک مصافحوں اور معانقوں کے ساتھ ہر طرف سے مبارکباد اور شکریہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ہر ایک کی زبان پر یہ فقرہ تھا کہ مولانا! آج تو آپ نے اسلام کی اور ہم پاکستانیوں کی لاج رکھ لی ہے۔ آپ کی نوازش، آپ کا شکریہ۔ اس کے بعد یہ لوگ مجھ سے پوچھتے کہ مولانا آپ کہاں سے تشریف لائے

ہیں؟ میں ربوہ کا ذکر کرتا تو کھسیانے ہو کر وہاں سے کھسک جاتے۔ یہ منظر دیکھنے والا تھا کہ بڑے تپاک سے آتے اور مبارکباد دیتے لیکن ربوہ کا نام سنتے ہی تعصب کے مارے الٹے پاؤں پھر جاتے!

عرب احمدیوں کے تاثرات

ماہ اپریل 2000ء میں جماعت احمدیہ کبابیر (فلسطین) نے اپنا جلسہ سالانہ منعقد کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر خاکسار نے مرکزی نمائندہ کے طور پر اس جلسہ میں شمولیت کی۔ دو ہفتہ قیام کے دوران مجھے احباب جماعت سے ملاقات کرنے اور حضرت اباجان کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے کا موقع بھی ملا۔ اس سفر کی چند یادیں ذکر کرتا ہوں۔

اس سفر کے دوران حضرت اباجانؒ مرحوم ومغفور کے حوالہ سے دوست اس قدر محبت اور پیار سے ملتے کہ میں فرط جذبات سے بے قابو ہو جاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے احباب جماعت کے دلوں میں حضرت اباجان کی ایسی محبت پیدا کر دی ہے کہ بات بات پر وہ ان کا ذکر کرتے تھے۔ ایک روز میری درخواست پر ایسے سب دوست ایک مجلس میں اکٹھے آئے جنہوں نے حضرت اباجان کو دیکھا اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ سب دوست بہت شوق اور محبت سے اکٹھے ہوئے اور محبت و پیار اور جذباتِ الفت سے معمور ایک یادگار مجلس منعقد ہوئی۔ سب دوستوں نے اپنی پرانی یادیں اور ایمان افروز واقعات بیان کئے۔ الحمدللہ کہ اس ایمان افروز مجلس کی ویڈیو بھی تیار کی گئی اور ان سب محبین اور مخلصین کے ساتھ ایک تاریخی گروپ فوٹو بھی ہو گیا۔ میں نے جماعت احمدیہ فلسطین کے ایمان و اخلاص اور حضرت اباجانؒ سے ان کی محبت کا تذکرہ تو بارہا سن رکھا تھا لیکن اس کیفیت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور محبت بھرے جذبات اور واقعات کو سن کر بہت لطف آیا اور دل جذبات حمد وشکر سے لبریز ہو گیا کہ یہ سب جماعت کی برکت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔ اس کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ آج بھی اس مجلس کی یاد آتی ہے تو آنکھیں پُر آب ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مخلصین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ایک دوست نے ذکر کیا کہ میں حضرت مولانا کے ساتھ پریس میں کام کیا کرتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ مولانا عربی رسالہ کے لئے خود ہی مضامین لکھتے اور پھر خود ہی کمپوز بھی کرتے اور چند احباب کی مدد سے دستی پریس پر شائع کیا کرتے تھے۔ وہ خود بھی مشین چلانے کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک دوست نے یہ واقعہ یاد دلایا کہ وہ ان کے ساتھ فٹ بال کھیلتے تھے اور حضرت مولانا اکثر ان سے فٹبال چھین لینے میں کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔ بعض نے اکٹھے سفر پر جانے کی یادیں تازہ کیں۔ بعض نے مخالفین سے مناظرات اور تبلیغی گفتگو کی تفاصیل بتائیں۔ بعض نے اس قہوہ کا ذکر کیا جو وہ اپنے ہاتھ سے تیار کر کے انہیں پلایا کرتے تھے۔ الغرض محبت اور پیار کی زبان سے ایسا خوبصورت تذکرہ جاری رہا کہ ہر شخص کا دل ایک بار پھر حضرت اباجانؒ کی یاد سے آباد اور دعاؤں سے پُر ہو گیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک

اس سفر کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ ابتدائی پرانی مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا حجرہ ہوا کرتا تھا جس میں حضرت اباجان نے کچھ عرصہ قیام کیا۔ اب تو ماشاءاللہ اس پرانی مسجد کی جگہ پر ایک شاندار اور بہت خوبصورت مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ بعد ازاں آپ نے ایک اور مکان میں رہائش اختیار کی جو مسجد کے بالکل ساتھ تھا۔ میں نے وہ جگہ بھی دیکھی۔ اب وہاں نیا مکان تعمیر ہو چکا ہے۔

ایک روز جماعت کے امیر مکرم محمد شریف عودہ صاحب مجھے اور میری اہلیہ کو وہ جگہ دکھانے لے گئے جو مسجد کے قریب ہی پہاڑ کے دامن میں ہے۔ جہاں ایک چشمہ پر حضرت اباجانؒ ٹھنڈے پانی میں نہانے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اس جگہ کے قریب کھیتوں میں ابتدائی ایام میں حضرت مولانا عربی زبان میں تقریر کی مشق کیا کرتے تھے۔ آپ کا طریق یہ تھا کہ آپ تازہ عربی اخبارات خرید کر وہاں اس وادی میں اکیلے چلے جاتے اور کھیتوں کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے اخبار پڑھتے اور تقریر کی مشق کیا کرتے تھے۔ اس راز کا پتہ اس طرح لگا کہ ایک روز ایک احمدی بھی قریبی راستہ سے گزر رہا تھا کہ اس نے حضرت مولانا کی بلند آواز سنی اور اس طرح یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ آپ تبلیغ اسلام کی خاطر کس طرح دن رات محنت کرتے تھے اور اپنی لیاقت اور قابلیت بڑھانے کے لئے کیا کیا طریق اختیار فرماتے تھے۔

ایک روز مکرم عبداللہ اسعد عودہ صاحب مجھے اپنے ایک پرانے اور معمر شناسا سے ملانے کے لئے لے گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے تعارف کروایا کہ وہ ایک معروف علم دوست آدمی ہیں اور ایک مقامی اسلامی تنظیم کے لیڈر ہیں۔ ان کا جماعت سے رابطہ رہا ہے اور بعض اوقات وہ مسجد بھی آتے رہے ہیں۔ انہیں ہمارے آنے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ ہم پہنچے تو وہ عرب رواج کے مطابق ہمارے استقبال کے لئے گھر سے باہر تشریف لائے اور بہت اخلاص اور محبت بھرے پُر جوش معانقہ سے ہمارا استقبال کیا۔ پھر بہت تکریم کے ساتھ گھر کے اندر لے گئے اور مرکزی جگہ پر بٹھا کر فوراً ہی مہمان نوازی میں مصروف ہو گئے۔ میرے لئے اس نوعیت کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ باوجود دیگر افراد خانہ کے جو مدد کے لئے تیار تھے یہ بزرگ دوست خود گھر کے اندر سے کھانے پینے کی اشیاء ایک ایک کر کے لاتے اور بہت محبت سے پیش کرتے تھے۔ اس دوران ان کے محبت بھرے کلمات اور عزت وتکریم کا انداز ان کی قلبی محبت کا آئینہ دار تھا۔ بار بار خوشی کا اظہار کرتے اور کھانے پینے کا اصرار کرتے تھے۔

مہمان نوازی کا زور ذرا دھیما پڑا تو باتیں شروع ہوئیں۔ عبداللہ صاحب نے جماعت کے احوال بیان کئے اور کچھ امور اس معمر بزرگ نے بیان کئے۔ دوران گفتگو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو جماعت احمدیہ سے کب سے تعارف ہے۔ اس پر جو جواب انہوں نے دیا وہ سن کر میں بھی اور عبداللہ صاحب بھی حیرت میں ڈوب گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو جماعت احمدیہ کو بہت پرانے وقتوں سے جانتا ہوں۔ میں مسجد بھی کئی بار گیا ہوں اور پھر کہا کہ میں السید مولانا ابوالعطاء سے بھی ملا ہوں وہ یہاں جماعت کے مبلغ تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ اچانک یہ ذکر سن کر ہم دونوں بہت حیران بھی ہوئے اور خوش بھی اور جب عبداللہ صاحب نے انہیں بتایا کہ میں ان کا بیٹا ہوں تو اس وقت ان کی حالت دیکھنے والی تھی۔ فرطِ محبت سے اٹھ کر مجھے گلے لگا لیا اور بہت ہی گرمجوشی سے ملے۔ مجھے اس وقت حضرت اباجان کی یاد نے بے قابو کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ان کی محبت بھری یادیں آج بھی زندہ ہیں۔ ان کی قربانیاں آج بھی زندہ ہیں۔ ان کا نیک تذکرہ آج

بھی جاری وساری ہے۔الحمدللہ

حیفا جماعت کے موسیٰ بن عبدالقادر صاحب نے ایک بار لندن میں مجھ سے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت اباجانؒ مرحوم ومغفور کے مناظرات کے نتیجہ میں سارے فلسطین میں آپ کی اتنی علمی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ مخالف علماء انہیں سامنے سے آتا دیکھ کر اکثر اپنا راستہ تبدیل کرلیا کرتے تھے اوراس طرز عمل سے وہ آپ کی علمی برتری اورفوقیت کا اعتراف کرتے تھے۔

رسالہ الفرقان کی مقبولیت

رسالہ الفرقان اپنی مقبولیت اوراہمیت کے لحاظ سے جماعت کی صحافتی تاریخ میں ایک غیر معمولی مرتبہ رکھتا ہے اورآج بھی لوگ اس رسالہ کو یاد کرتے ہیں۔اس کی ایک وجہ حضرت اباجان کی اپنی ہمہ گیر اور مشہور ومعروف شخصیت بھی ہوسکتی ہے مگر الفرقان کی مقبولیت کی اصل وجہ اس کا علمی معیار تھا۔یہی وجہ تھی کہ الفرقان نہ صرف جماعت میں مقبول ترین ماہنامہ تھا بلکہ غیر از جماعت علمی اور مذہبی حلقوں میں بھی اس کو خوب شہرت اور مقبولیت حاصل تھی۔اس سلسلہ میں اپنا ایک ذاتی تجربہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

غالباً 1967ء یا 1968ء کی بات ہے کہ مجھے وقف عارضی کرنے کی توفیق ملی۔محترم سیّد میر محمود احمد صاحب ناصر اور مکرم ملک فاروق احمد صاحب کھوکھر کے ہمراہ میں نے یہ عرصہ کوہ مری میں گزارا۔ایک دن خیال آیا کہ اس علاقہ میں پیر صاحب موہڑہ شریف کا مرکز بھی دیکھا جائے۔چنانچہ ہم راستہ پوچھتے پچھاتے منزل تک پہنچ گئے۔یہ مرکز مری کے نواح میں پہاڑوں کے دامن میں بہت گہری جگہ پرواقع تھا۔کافی لمبا سفر طے کرکے ہم وہاں پہنچے تو مرکز کے کارکنان نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔ہم نے کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ اگر ممکن ہوتو ہم کچھ دیر کے لئے پیر صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔چند منٹ میں ہم تینوں پیر صاحب کے ملاقات کے کمرہ میں تھے۔وہ ایک فرشی قالین پر گدی پر بیٹھے تھے۔درمیانی عمر، وجیہہ صورت،تعلیم یافتہ اور کھلے ذہن کے مالک تھے۔بہت اچھے ماحول میں بات چیت ہوئی۔ہم نے اپنا تعارف کروایا تو بہت خوش ہوئے اور بتایا کہ وہ احمدیت سے خوب متعارف ہیں۔یہ ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے قالین کا ایک کونا اٹھایا تو اس کے نیچے الفضل اورالفرقان کے تازہ شمارے تھے۔انہوں نے بتایا کہ یہ دونوں جرائد ان کے پاس باقاعدہ آتے ہیں اور وہ بڑے شوق سے ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ساتھ ہی کہنے لگے کہ میں ان جرائد کو قالین کے نیچے رکھتا ہوں تاکہ باقی دوستوں کی نظر نہ پڑسکے۔

ایک معاندِ احمدیت سے گفتگو

حضرت اباجانؒ کی معاندِ احمدیت جناب شورش کاشمیری ایڈیٹر ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور سے ایک دلچسپ ملاقات مجھے اچھی طرح یاد ہے،میں بھی اس موقعہ پر حضرت اباجانؒ کے ساتھ تھا۔رسالہ الفرقان کے لئے کاغذ کی خریداری کے سلسلہ میں ہم دونوں لاہور گئے۔مکرم جناب ملک عبداللطیف صاحب ستکوہی کی دوکان پر پہنچے،مکرم ستکوہی صاحب نے جو حضرت اباجان کے شاگرد تھے حسبِ معمول بہت تپاک سے استقبال کیا اور فوراً چائے وغیرہ کا انتظام کیا۔باتیں ہورہی تھیں کہ اچانک کہنے لگے کہ مولانا! آج آپ کی ملاقات شورش سے کرواتے ہیں جن سے آپ کی نوک جھوک رسالہ میں اکثر جاری رہتی ہے۔دیکھا تو جناب شورش کاشمیری لمبا کرتہ اور پاجامہ پہنے،ننگے سر پہلوانوں کے انداز میں چلتے آرہے تھے۔حسن اتفاق کہ وہ بھی کسی کام کے سلسلہ میں ملک صاحب کی دوکان کی طرف ہی آرہے تھے۔باہم تعارف ہوا اور چند ابتدائی باتوں کے بعد اباجان نے وہ مسئلہ اٹھایا جس کا گزشتہ دنوں ہفت روزہ ''چٹان'' میں بڑا چرچا رہا تھا۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب مدیر ''چٹان'' نے جماعت کے خلاف یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ ان کا کلمہ نیا ہے اور اس کے ثبوت کے طور پر کتاب Africa Speaks میں نائیجیریا کے ایک گاؤں کی احمدیہ مسجد کی پیشانی پر لکھے ہوئے کلمہ طیبہ میں لفظ محمد کو احمد میں تبدیل کرکے بڑے طمطراق سے صفحہ اول پر شائع کیا تھا اور یہ عنوان جمایا تھا کہ ''لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!''۔رسالہ الفرقان میں تصویر کا صحیح عکس شائع کرنے کے علاوہ اس الزام کا مدلل اور مبسوط جواب شائع ہو چکا تھا۔اس حوالہ سے حضرت اباجانؒ نے ان سے پوچھا کہ شورش صاحب! خدا لگتی کہیں کہ کیا اب بھی آپ واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ احمدیوں کا کلمہ نیا ہے؟ اس پر شورش کاشمیری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ چھوڑیئے مولانا! ان باتوں کو۔آخر ہم نے بھی تو اپنا اخبار بیچنا ہوتا ہے! اور ساتھ ہی کہا کہ یہ بات Off the record ہے۔آپ نے اسے اپنے رسالہ میں شائع کیا تو میں اس کی تردید کردوں گا۔

بددیانتی،جھوٹ اور اس پر یہ ڈھٹائی دیکھ کر ہم سب حیران رہ گئے۔کذب وافتراء کے گند میں پڑکر انسان کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے اس کا ایک افسوسناک منظر ہم نے دیکھا اور قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم خوب واضح ہوا کہ و تجعلون رزقکم انکم تکذبون (الواقعہ:83) خدا کرے کہ ہمارے علماء خدا خوفی سے کام لیں اور جھوٹ کو ذریعہ آمد بنانے سے اجتناب کی توفیق پائیں۔

دلی خواہش کا پورا ہونا

ہر نیک والد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دین کی خدمت کرتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔پیارے اباجانؒ بھی ہمیشہ اس بات کے متمنی اور دعاگو رہے۔اگرچہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میرا اکثر وقت بیرون پاکستان گزرا ہے لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اباجان کی زندگی میں ایسے متعدد مواقع پیدا ہوئے جن کو دیکھ کر آپ بے حد مسرور ہوئے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ایک خاص موقع وہ تھا جب 1973ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ برطانیہ کے دورہ پر تشریف لائے۔حضرت اباجانؒ بھی ان دنوں مختصر رخصت پر لندن آئے ہوئے تھے۔مقامی پولیس کے افسران کے ایک اجلاس میں تقریر کرنے کیلئے مجھے دعوت موصول ہوئی۔میں نے اباجان سے کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ تشریف لے چلیں چنانچہ ہم اکٹھے گئے۔منتظمین نے پرتپاک استقبال کیا۔ہم دونوں کو اسٹیج پر بٹھایا اور پروگرام کے مطابق میں نے اسلام کے تعارف کے بارہ میں تقریر کی۔اس کے بعد حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔اس موقع پر بعض حاضرین نے اباجان سے ان کے لباس خصوصاً پگڑی کے بارہ میں سوالات پوچھے جن کے جوابات اباجان نے اردو میں دیئے اور میں نے ترجمہ کیا۔الغرض بہت دلچسپ پروگرام رہا۔مجھے خوب یاد ہے کہ اس روز مجھے انگریزی میں تقریر کرتے سن کر اور تبلیغ اسلام کرتے دیکھ کر حضرت اباجانؒ کو بے انتہا دلی خوشی محسوس ہوئی اور انہوں نے اس کا ذکر بھی کیا اور

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے محبت بھری دعاؤں سے اس عاجز کو نوازا۔

میں نے یہ واقعہ ایک مثال کے طور پر بہت تامل سے لکھا ہے اور صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت اباجانؒ کی اپنی اولاد کے بارے میں تمنا کیا تھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کی اس بیتاب تمنا کو زندگی میں پورا فرما کر ان کے لئے اسی زندگی میں تسکین قلب و روح کے سامان مہیا فرمائے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ اللہ کرے کہ اگلے جہان میں بھی انہیں اپنی ساری اولاد کی طرف سے ہمیشہ خوشی کی خبریں پہنچتی رہیں۔

شاگردوں کا وسیع حلقہ

حضرت اباجانؒ کے شاگرد بلکہ شاگردوں کے شاگرد آج اکناف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور خدمات دینیہ بجالا رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو حضرت اباجانؒ کی زندگی میں جب بھی ان سے ملتے تو بڑے فخر سے یہ ذکر کرتے کہ ہم آپ کے شاگرد ہیں۔ حضرت اباجان ایسے مواقع پر کہا کرتے تھے کہ میرا اصول تو یہ ہے کہ میرا شاگرد تو وہ ہے جو خود اس بات کو تسلیم کرے۔ گھر کے ماحول میں بارہا آپ اپنے قابل اور دیندار شاگردوں کا ذکر بڑی محبت سے کیا کرتے تھے اور ان کی کامیابیوں پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔ کبھی اس بات کی خواہش نہ کرتے کہ کوئی شاگرد آپ کی خدمت کرے بلکہ آپ ان کی خدمت اور عزت افزائی میں خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو سعادت مند اور خدمت گزار شاگردوں کا بہت ہی وسیع حلقہ عطا ہوا تھا اور یہ محبت بھرا تعلق زندگی کے آخر تک جاری رہا بلکہ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے شاگرد جس محبت اور اکرام سے ملتے ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت اباجان کی یاد آج بھی آپ کے شاگردوں کے دلوں میں زندہ ہے اور بعض تو ایسے ہیں کہ حضرت اباجان کا ذکر کرتے تو آنکھیں نمناک ہوجاتی ہیں اور جذبات سے بے قابو ہوجاتے ہیں۔ یہ سب اسی محبت اور شفقت کا نتیجہ ہے جو آپ کے دلوں میں اپنے سب شاگردوں کے لئے تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب آپ کی صحت کمزور تھی اور آپ بحالی صحت کے لئے کوٹلی (آزاد کشمیر) گئے تو محترم مولانا محمد دین صاحب مرحوم نے جس طرح والہانہ محبت بھرے انداز میں دن رات آپ کی خدمت کی اس پر آپ کا دل محبت اور پیار سے لبالب بھر جاتا تھا اور آپ کے دل کی گہرائیوں سے ان کے لئے دعا نکلتی تھی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

درویشان قادیان سے محبت

حضرت اباجان کو قادیان دارالامان میں دھونی رما کر بیٹھنے والے درویشان سے دلی محبت تھی۔ مجھے متعدد بار حضرت اباجان کے ساتھ قادیان جانے کا موقع ملا اور میں نے بارہا یہ مشاہدہ کیا کہ ہر موقع پر آپ بڑی رازداری کے ساتھ حتیٰ الوسع درویشان کرام کی مالی امداد فرماتے تھے۔ اس خاموشی کے ساتھ کہ کسی ضرورت مند بھائی کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو اور ضرورت بھی احسن رنگ میں پوری ہوجائے۔ علاوہ ازیں درویش بھائیوں کی تکریم، دلداری اور حوصلہ افزائی کے مختلف انداز اختیار فرماتے۔ سب سے بڑی محبت سے ملتے اور سب کو دعائیں دیتے۔ ربوہ میں آنے والے درویشان کو گھر پر مدعو کر کے ان کی بھرپور ضیافت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مجھے ایک معین واقعہ یاد آیا جو بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن حضرت اباجان کے دلی جذبات کو خوب ظاہر کرنے والا ہے۔ غالباً جلسے کا موقع تھا چند درویش بھائی ربوہ آئے ہوئے تھے۔ آپ نے حسب معمول ان سب کو گھر میں کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ کھانے کا گھر پر حسب سابق انتظام کرلیا گیا لیکن اس موقع پر آپ نے بازار سے دہی بطور خاص منگوایا۔ تھوڑی مقدار میں نہیں بلکہ پورا ''گونڈا'' منگوالیا۔ یعنی مٹی کا بنا ہوا وہ وسیع برتن جس میں شیر فروش دہی جماتے ہیں۔ وہ سارے کا سارا گھر منگوالیا۔ گھر میں سب کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اتنا زیادہ دہی آپ نے کیوں منگوایا ہے۔ اس کی بات چلی تو آپ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ کل میں نے دفتر سے واپس آتے ہوئے دیکھا تھا کہ ایک دوکان پر یہ درویش کھڑے تھے اور بڑے شوق سے دہی خرید کر کھا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ ان کو بہت پسند ہے اس لئے یہ گونڈا ہی منگوالیا تا کہ وہ خوب سیر ہو کر کھالیں۔

قادیان کی یادگار عید

قادیان میں منائی گئی عید بھی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ میں بارہ تیرہ سال کا تھا اور حضرت اباجانؒ کے ساتھ قادیان گیا ہوا تھا۔ اس دوران عید کا موقع آیا تو یہ عید بہشتی مقبرہ کے باغ میں ادا کی گئی۔ ہوا یہ کہ عید کی نماز شروع ہوتے ہی اتفاقاً وہاں درختوں پر لگے ہوئے شہد کے چھتے کو کسی نے چھیڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہد کی بڑی مکھیاں ہر طرف گھومنے اور ہر ایک کو کاٹنے لگیں۔ حضرت اباجانؒ امام الصلوٰۃ تھے۔ نماز میں تکبیرات کے وقت ہاتھ بار بار بلند کرنے سے مکھیاں اور بھی شدت سے حملے کرنے لگیں۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت اباجانؒ نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر نماز کی ایک رکعت میں سورۃ الکوثر کی تلاوت کی اور دوسری میں سورۃ اخلاص کی۔ نماز کے بعد خطبہ دینا بھی لازم تھا۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت اباجانؒ نے اس موقعہ پر صرف دو تین منٹ کا خطبہ دیا جبکہ آپ نے پگڑی کے شملہ سے اپنا منہ ڈھانپا ہوا تھا اور دعا کروادی۔ اس وقت تک مکھیوں کی یلغار بہت تیز ہوچکی تھی۔ عید سے فارغ ہوتے ہی کچھ لوگ تو بھاگ کر ڈھاب کا پُل پار کر کے سیدھے قادیان چلے گئے۔ بعض دوسری اطراف میں بھاگنے لگے اور کچھ ایسے بھی تھے جو مکھیوں سے بچنے کیلئے نماز والی دریوں کے نیچے گھس گئے۔ میں بھی انہی لوگوں میں شامل تھا۔ نئے کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر دریوں کے نیچے تو چلا گیا لیکن اندر گرمی اور گرد سے برا حال ہو رہا تھا۔ اگر سانس لینے کے لئے دری ذرا سی اوپر کرتا تو مکھیاں اندر آتیں اور اگر بند کرتا تو سانس لیتے وقت مٹی اندر آتی۔ خیر چند منٹ بمشکل گزارے کہ کسی نے میرا نام لے کر پکارا کہ کہاں ہو۔ میں نے دری کو ہلا کر اشارہ کیا تو چند خدام آئے اور مجھے کمبل میں لپیٹ کر اور ہاتھ پکڑ کر قادیان دارالامان پہنچا دیا۔ مجھے بھی ایک دو مکھیوں نے کاٹا لیکن پھر بھی خیر گزری۔ بعض لوگوں کا تو بہت ہی برا حال ہوا۔ حضرت اباجانؒ بھی اسی طرح کسی دوست کی مدد سے قادیان پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل محفوظ رہے۔ اس واقعہ نے اس عید کو ایک ناقابل فراموش عید بنا دیا۔

اوصافِ حمیدہ

حضرت اباجانؒ کی زندگی میں عاجزی اور شکر گزاری بہت زیادہ تھی۔ گھر کے ماحول میں مَیں نے آپ کی زبانی عجز و انکسار کا ذکر بارہا سنا۔ اپنے ابتدائی حالات اور تنگی کے زمانوں کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے آپ ہمیشہ آبدیدہ ہوجایا کرتے تھے اور ایسے ایسے انداز میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے

تھے کہ سن کر میں بھی جذبات سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ آپ کی کیفیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الفاظ کی زندہ تفسیر تھی کہ

سب کچھ تیری عطا ہے، گھر سے تو کچھ نہ لائے

آپ کو اپنی والدہ مرحومہ سے بہت ہی پیار تھا۔ ہر سال یکم ستمبر کو ان کو یاد کیا کرتے تھے۔ ان کے لئے دعائیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری والدہ تو میرے لئے مجسم دعا تھیں۔

حضرت ابا جانؓ کی زندگی میں ایک نمایاں بات یہ تھی کہ آپ نماز جنازہ میں شمولیت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے قطع نظر اس بات کے کہ کس کا جنازہ ہے۔ ورثاء سے ہمدردی اور صبر کی تلقین فرماتے اور حتی الوسع تدفین کے لئے بھی جاتے۔ خاص طور پر ایسے موقعوں پر ضرور شمولیت کی کوشش فرماتے جبکہ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد کم ہوتی۔ مقصد یہ ہوتا کہ مرحوم یا مرحومہ کے ورثاء کی دلداری ہو۔

زندہ دلی اور ظرافت

حضرت ابا جانؓ بہت زندہ دل انسان تھے اور آپ میں خوش طبعی اور ظرافت کی صفت بہت نمایاں تھی۔ لیکن ان سب مواقع پر آپ کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور پُرمزاح بات بھی بیان ہو جائے۔ گھر کے ماحول میں بھی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ آپ خود بھی لطائف سنایا کرتے اور لطائف سننے کا بھی شوق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک ایسی کتاب میرے ہاتھ لگی جس میں بہت عمدہ لطائف تھے۔ بغیر کسی خاص اہتمام کے کچھ روز گھر میں یہ سلسلہ جاری رہا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد اس میں سے کچھ لطائف سناتا تو ابا جان اور باقی سب افراد بہت محظوظ ہوتے۔ اس کتاب کا نام تو اب مجھے یاد نہیں ہم نے بطور لطیفہ اس کا نام ''چورن'' رکھا ہوا تھا۔

ربوہ کے ابتدائی دنوں میں ربوہ میں گنتی کے چند ٹانگے ہوا کرتے تھے۔ حضرت ابا جانؓ عام طور پر چوہدری محمد بوٹا صاحب آف دارالیمن کا ٹانگہ استعمال کیا کرتے تھے اور وہ بھی بہت شوق اور محبت سے ہمیشہ اس خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔ جب اور جہاں ضرورت ہوتی فوراً آجاتے۔ ابا جان بھی ہمیشہ ان کو اجرت سے کچھ زائد ہی دے دیا کرتے تھے۔ کسی دعوت پر جاتے تو گھر والوں کو ان کے لئے کھانے کی تاکید کیا کرتے تھے تا کہ وہ بھوکے نہ رہ جائیں۔ عیدین اور خوشی کے دوسرے مواقع پر بھی ان کو زائد ادائیگی کر کے خوش کر دیا کرتے تھے۔ ابا جان ان کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ٹانگے میں سوار ربوہ کی کسی سڑک سے گزر رہے تھے۔ سڑک کے کنارے پر نئے پودے لگائے جا رہے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابا جانؓ نے پنجابی میں چوہدری محمد بوٹا صاحب کو فرمایا: ''میاں بوٹا! تیرے ناں دا وادھا ہو ریا اے!'' (یعنی تمہارے نام (بوٹا) کا اضافہ ہو رہا ہے)۔ میاں بوٹا صاحب اور باقی سب احباب بھی اس پُرلطف تبصرہ سے بہت محظوظ ہوئے۔

ہمارے ملک میں اشیاء میں ملاوٹ کی خرابی بہت عام ہے۔ اس کی ایک مثال دودھ میں پانی ملانا ہے۔ ہمارے گھر میں قریبی گاؤں سے ایک معمر خاتون دودھ لایا کرتی تھی اور ہمیں شک گزرتا تھا کہ وہ بیچاری بھی (اللہ معاف کرے) کبھی کبھی اس کمزوری کا ارتکاب کر لیا کرتی تھی۔ ایک روز حضرت ابا جانؓ نے اس عورت کو بڑے پُرمزاح انداز میں اس طرف توجہ دلائی۔ گھر کے صحن میں بیٹھے تھے۔ ایک طرف نلکا لگا ہوا تھا۔ آپ نے اس خاتون کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''بی بی! ہمارے گھر میں نلکا ہے۔ ضرورت ہوگی تو ہم پانی خود ہی ملا لیا کریں گے''۔

وضو کا اہتمام

حضرت ابا جانؓ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بہت اعلیٰ صفات حسنہ سے نوازا تھا۔ ان میں سے ایک آپ کا یہ طریق تھا کہ درس ہو یا تقریر یا کسی نوعیت کی مجلس سے خطاب ہو، ہمیشہ باوضو ہو کر فرماتے۔ اس بات کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تقریر سے پہلے وضو کر لینا چاہیے، اس سے خیالات میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکیزگی عطا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل حال ہو جاتی ہے۔ اس اہتمام کے علاوہ بھی میں نے یہ بات آپ میں دیکھی کہ آپ عام اوقات میں بھی باوضو رہنے کی کوشش فرماتے اور جب بھی وضو دوبارہ کرنے کی ضرورت ہوتی تو اولین فرصت میں اس کا اہتمام فرماتے یہ بات آپکی ذہنی اور قلبی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفاست پسند تھے۔ لباس سادہ ہوتا لیکن صاف ستھرا۔ جسمانی صفائی کا بھی بہت اہتمام فرماتے۔

شربتِ زندگی

مجھے یاد ہے کہ حضرت ابا جانؓ نے ایک بار مجھ سے ذکر فرمایا کہ انہیں خواب میں ایک بوتل دکھائی گئی جس میں سرخ رنگ کا شربت ہے اور بوتل پر نمایاں حروف میں ''شربتِ زندگی'' کا لیبل لگا ہوا ہے اور ساتھ ہی نیچے قدرے باریک الفاظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شربت 75 برس تک کارآمد رہے گا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت ابا جانؓ نے فرمایا کہ مجھے خواب اس میں خاص طور پر کارآمد کے لفظ سے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ میری جتنی بھی زندگی ہوگی وہ کارآمد ہوگی۔ معذوری کی زندگی نہیں ہوگی اور آخر وقت تک اللہ تعالیٰ خدمت کی توفیق دے گا۔ الحمدللہ کہ یہ خدائی وعدہ ہر لحاظ سے پورا ہوا۔ عمر بھی قمری لحاظ سے 75 سال ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آخر تک بھرپور خدمتِ دین کی توفیق دی اور آپ خدمت کے راستہ پر سفر کرتے کرتے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔

ناقابلِ فراموش

مجھے وہ دن خوب اچھی طرح یاد ہے جب آپ کو حضرت مصلح موعودؓ نے 1956ء میں خالد احمدیت کے خطاب سے نوازا۔ جلسہ سالانہ کی تقریر میں یہ ذکر ہوا تھا۔ جلسہ سن کر گھر آنے پر حضرت ابا جان سے ملاقات ہوئی۔ مبارکباد عرض کی۔ میرے پیارے ابا جان اس وقت جذبات سے اس قدر مغلوب تھے کہ زبان سے کچھ کہنا مشکل ہو رہا تھا۔ بڑی ہی عجیب کیفیت تھی۔ خاکساری، عاجزی اور شکرگزاری کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ بات شروع کرتے تو پھر جذبات سے مغلوب ہو جاتے۔ ایسی کیفیت تھی کہ آج 58 سال بعد بھی یہ الفاظ لکھتے ہوئے میری آنکھیں اس منظر کو یاد کر کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی ہیں۔ میرے لئے وہ منظر اور وہ کیفیت ناقابلِ فراموش ہے۔ ناقابلِ بیان ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابا جانؓ کے درجات ابدالآباد تک بلند سے بلندتر فرماتا چلا جائے۔ آمین

شعبہ تعلیم کے نصاب کے مطابق امتحانات

(80% نمبر حاصل کرنے والے انصار)

پیپر نمبر 1

مجلس BALHAM:۔نصیر احمد عابد صاحب۔حمید باجوہ صاحب۔رشید احمد صاحب۔ حبیب الرحمٰن غوری صاحب۔ شاہد محبوب صاحب۔ سعید خانصاحب۔ قدیر ساجد صاحب۔عباس احمد صاحب۔مشہود اسلم صاحب۔شفیق احمد صاحب۔نصر اللہ احمدی صاحب۔عطاء القادر طاہر صاحب۔پروفیسر محمد نواز احمد صاحب۔

مجلس Mitchem:۔ملک ناصر احمد صاحب۔جمیل احمد صاحب۔ عبدالباسط صاحب۔ مظفر منصور صاحب۔ مرزا منیر احمد صاحب۔ حافظ فرقان احمد صاحب۔ مبارک احمد صاحب۔ ناظم رسول بٹ صاحب۔

مجلس Tooting:۔طاہر محمود گوندل صاحب۔محمد اقبال صاحب۔عبدالشکور صاحب۔ شکیل احمد سید صاحب۔ دین محمد صاحب۔ سرفراز احمد صاحب۔ عبداللطیف شاہین صاحب۔میر حامد یوسف صاحب۔محمد افضل صاحب۔نوید احمد چوہدری صاحب۔توقیر احمد صاحب۔امیر عالم صاحب۔وسیم احمد بٹ صاحب۔پرویز آصف ملہی صاحب۔رحیم بخش ملک صاحب۔عبدالماجد صاحب۔نصیر احمد صاحب۔فیاض احمد صاحب۔ظفر محمود طور صاحب۔ناصر احمد صاحب۔نصیر احمد صاحب۔عبدالمجید صاحب۔شیخ مظفر احمد صاحب۔ مظفر احمد جوکہ صاحب۔عامر سلیم صدیقی صاحب۔محمد انور صاحب۔اقبال صاحب۔ملک نعمان صاحب۔نوید احمد ناگی صاحب۔ڈاکٹر نسیم احمد صاحب۔بشارت احمد صاحب۔خالد محمود صاحب۔شاہد احمد صاحب۔شیخ طارق صاحب۔اکرام اللہ مجیب صاحب۔

مجلس Thornton Heat: عبدالرشید قاضی صاحب۔جاوید احمد صاحب۔چوہدری طاہر احمد صاحب۔سلیم الدین صاحب۔نوید محمود صاحب۔چوہدری منصور احمد صاحب۔ سید اقبال صاحب۔محمد رفیع الزماں صاحب۔مرزا عبدالصمد صاحب۔چوہدری سلیم انجم صاحب۔ملک ناصر احمد صاحب۔محمد رشید باجوہ صاحب۔مقبول احمد صاحب۔

مجلس Shirley: شریف احمد صاحب۔نصیر احمد صاحب۔محمد ادریس صاحب۔سید مظفر صاحب۔ شاہد کامران صاحب۔سید کلیم صاحب۔ ارشد محمود صاحب۔ مرزا مجید احمد صاحب۔ فضل محمود صاحب۔حافظ فضل ربی صاحب۔انعام اللہ بھٹی صاحب۔خالد جمیل بٹ صاحب۔مشہود صادق صاحب۔تصور احمد ملک صاحب۔سید عتیق شاہ صاحب۔

مجلس Barking and Dagenham۔ مرزا مبشر احمد صاحب۔ راجہ شاہد صاحب۔ راجہ غالب صاحب۔ حنیف احمد صاحب۔ عامر عظیم صاحب۔ طاہر ممتاز صاحب۔سید ایاز مسعود صاحب۔داؤد ابراہیم صاحب۔صباح الدین نجم صاحب۔شاہد احمد صاحب۔زاہد احمد عابد صاحب۔

مجلس Roehampton:۔عزیز احمد صاحب۔عبدالواسع خان صاحب۔عبدالعزیز کوثر صاحب۔عبدالباسط صاحب۔عبدالحیٔ عامر صاحب۔لطیف احمد صاحب۔منظور رحمٰن صاحب۔ اشرف احمد صاحب۔محمد احسن صاحب۔ مبارک احمد گوندل صاحب۔ اعجاز اختر جج صاحب۔ لیاقت علی شمسی صاحب۔ ندیم احمد اُپل صاحب۔ فیاض احمد صاحب۔قمر احمد صاحب۔محمد اصغر صاحب۔ظفر اقبال صاحب۔شفیق احمد صاحب۔

مجلس Inner Park:۔محمد عمران صاحب۔ ارشد محمود صاحب۔ رانا اشفاق احمد صاحب۔عبدالباسط صاحب۔ واحد اللہ صاحب۔مظفر احمد صاحب۔ ملک مبشر احمد صاحب۔رانا منظور احمد صاحب۔سعید احمد صاحب۔نصیر احمد خان اا صاحب۔بختیار احمد صاحب۔

مجلس Southmead:۔عبدالقدیر صاحب۔محمد صدیق بٹ صاحب۔محمود احمد بھٹی صاحب۔محمد لقمان خانصاحب۔اعجاز احمد صاحب۔میاں اخلاق احمد صاحب۔محمود الحسن صاحب۔محمد سلمان بٹ صاحب۔منور احمد صاحب۔مظفر احمد گھمن صاحب۔بدر الزماں زاہد صاحب۔صغیر احمد صاحب۔بشارت احمد نعیم صاحب۔محمد مکرم قریشی صاحب۔محمد عاصم صاحب۔ منصور احمد چیمہ صاحب۔ عنایت اللہ بھٹی صاحب۔ظفر بشیر صاحب۔ رفاقت احمد سندھو صاحب۔شاہد لطیف صاحب۔مظفر احمد بٹ صاحب۔ضیا گجر صاحب۔

مجلس Southside۔ رشید احمد صاحب۔ مبشر احمد بشیر صاحب۔ شیخ اظہار احمد صاحب۔ مرزا اعجاز بشیر صاحب۔ چوہدری طاہر احمد صاحب۔ محمد افضل صاحب۔ یعقوب احمد طاہر صاحب۔ چوہدری شہباز احمد صاحب۔ملک عطاء القدیر صاحب۔منور احمد مبشر صاحب۔طیب احمد بھٹی صاحب۔ بشارت احمد صاحب۔محمد آصف صاحب۔ بشیر احمد مبشر صاحب۔عرفان احمد بھٹی صاحب۔شمیم احمد خان صاحب۔نعیم احمد گوندل صاحب۔خالد اختر صاحب۔انور زاہد سرا صاحب۔عبدالشکور خان صاحب۔

مجلس Cheam:۔ثاقب جہانگیری صاحب۔مظفر احمد ظفری صاحب۔ ایاز راٹھور صاحب۔فرید احمد صاحب۔نسیم احمد خان صاحب۔نعمان احمد صاحب۔نصیر احمد حبیب صاحب۔ ڈاکٹر رشید احمد صاحب۔ ڈاکٹر عبدالزکریا صاحب۔ بشیر احمد بابر صاحب۔ ڈاکٹر عبدالمومن جدران صاحب۔محمود ناصر صاحب۔ وسیم احمد صاحب۔ مبارک نیازی صاحب۔منور احمد گلزار صاحب۔ وسیم احمد صاحب۔عبدالواحید صاحب۔ ڈاکٹر حمید اللہ خان صاحب۔ نجیب مرزا صاحب۔ مرغوب احمد خان صاحب۔ دبیر احمد بھٹی صاحب۔ انور احمد صاحب۔شریف احمد ابڑو صاحب۔ حمید اللہ خان صاحب۔خواجہ صفی الدین صاحب۔راشد وقاص صاحب۔

مجلس بیت الفتوح:۔چوہدری ناز احمد ناصر صاحب۔ عبداللطیف صاحب۔ محمد اکبر صاحب۔محمد اسلم صاحب۔عبدالرشید صاحب۔خالد محمود صاحب۔خالد محمود بھٹی صاحب۔ فضل احمد صاحب۔تسنیم احمد صاحب۔ بشارت سعید صاحب۔رانا عبدالخالق صاحب۔

پیپر نمبر 1

مجلس Cheam:۔فرید احمد صاحب۔وحید احمد صاحب۔مظفر احمد ظفری صاحب۔ایاز راٹھور صاحب۔ محمود احمد ناصر صاحب۔ عابد خان صاحب۔ خالد محمود انور صاحب۔ آصف منصور صاحب۔خواجہ صفی الدین صاحب۔ مبارک احمد بٹ صاحب۔ غلام احمد اٹھوال صاحب۔ نجیب مرزا صاحب۔ عطاء الحق قریشی صاحب۔ انور احمد صاحب۔ شیخ عامر اسلم صاحب۔ مرغوب احمد خان صاحب۔ بشیر احمد بابر صاحب۔ راشد وقاص صاحب۔اظہر احمد صاحب۔

مجلس بیت الفتوح:۔رانا عبدالخالق صاحب۔چوہدری ناز احمد ناصر صاحب۔طارق خان پیرزادہ صاحب۔محمد اسلم لنگا صاحب۔محمد اکبر لنگا صاحب۔عبداللطیف صاحب۔خالد محمود بھٹی صاحب۔محمد شریف گجر صاحب۔سید اعجاز احمد صاحب۔عبدالواحاب صاحب۔ تسنیم احمد صاحب۔

مجلس نیو مالڈن:۔ سلیم بھٹی صاحب۔ انور علی ناصر صاحب۔ اسلم محمود صاحب۔ طاہر جھٹول صاحب۔ندیم خان صاحب۔ وسیم باجوہ صاحب۔بشیر طاہر صاحب۔مرزا رشید صاحب۔

مجلس لوئر مورڈن:۔منیر احمد صاحب۔چوہدری حق نواز صاحب۔رانا سعید احمد صاحب۔

مجلس Gilingham :۔ عارف احمد قریشی صاحب۔ اثر اکمل قریشی صاحب۔ عاطف شیخ صاحب۔ فرقان خان صاحب۔ خالد احمد رشید صاحب۔ محمد احمد قریشی صاحب۔منصور احمد ناصر صاحب۔محمد انور رانا صاحب۔مبارک قریشی صاحب۔نعیم احمد جہانگیری صاحب۔ ناصر محمود احمد بٹ صاحب۔ صفیر احمد بھٹی صاحب۔ شاہین مرزا صاحب۔شاہد احمد خان صاحب۔ شیخ نصیر احمد صاحب۔ تحسین احمد صاحب۔ ظفر احمد گینائی صاحب۔زاہد احمد خان صاحب۔ذوالفقار شیخ صاحب۔سلطان لون صاحب۔

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ

تعارف کتاب

فرخ سلطان محمود

جو دلچسپ کتاب آج ہمارے پیش نظر ہے اس کے بارہ میں کچھ عرض کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ جیسی نابغۂ روزگار ہستی کی سیرت کا احوال اس میں شامل ہے۔

حضرت چودھری صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ آپؓ کی زندگی کا حسین ترین لمحہ وہ تھا جب آپؓ کا ہاتھ حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک میں اطاعت و غلامی کا اقرار کرنے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔ دراصل یہی وہ شرف تھا کہ عاجزی کے اِس پیکر کو خلافتِ احمدیہ کی غلامی میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی طور پر ایسے مناصب جلیلہ عطا فرمائے جن کے ذریعے نہ صرف قومی اور پھر بین الاقوامی سطحوں پر آپؓ نے عظیم الشان خدمات بجالانے کی توفیق پائی بلکہ انفرادی حیثیت میں بھی آپؓ نے بنی نوع انسان کے لئے جن غیر معمولی خدمات کی سعادت حاصل کی، انہی بے لوث خدمات کی وجہ سے آپؓ کا اسم گرامی تاریخ احمدیت میں ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں بھی ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ پس جہاں یہ کتاب جماعت احمدیہ کے اِس قابل فخر سپوت کو خراج تحسین پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہے وہاں اس کی اشاعت کا ایک بنیادی مقصد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ غور طلب ارشاد بھی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں ان لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا ہمت یا زہد و تقویٰ یا علم و معرفت یا تائید دین یا ہمدردی نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لئے حاصل کریں اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قائل ہو جائیں جو اسلام کے عمائد میں ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے تا اس کو حمایتِ قوم میں مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں یا یہ کہ ان لوگوں کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکیں''۔

یقیناً حضرت چودھری صاحبؓ کی مبارک حیات کے بے شمار زاویے ایسے ہیں جو احمدیت کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں اور امر واقعہ یہی ہے کہ آپؓ کی اس خوبی کا اظہار زیر نظر کتاب کے ہر صفحہ سے عیاں ہوتا ہے۔

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی عظیم المرتبت شخصیت، آپؓ کی غیر معمولی خدمات اور آپؓ کے ارفع مقام پر اگرچہ بے شمار مضامین اور کتب شائع ہو چکی ہیں تاہم محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب کا اسم گرامی اگر کسی کتاب یا مضمون کے محرّر کے طور پر نظر آجائے تو مطالعہ کا شوق رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ایسی تحریر کو نظرانداز کر کے گزر جانا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ محترم خانصاحب کا انداز بیان سادہ اور بے تکلّفانہ ہونے کے باوجود آپ کی تحریر اتنی پختہ، سبق آموز، دلچسپ نیز افادیت اور تصویرکشی سے بھرپور ہوتی ہے کہ قاری ہر سطر پر لکھاری کے ساتھ ہی اُن نظاروں کے سحر میں کھوتا چلا جاتا ہے جو قرطاس پر دیدۂ زیب رنگوں میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے گویا حضرت چودھری صاحبؓ کی صالح صحبت اور پاکیزہ قربت کا لطف بخوبی اٹھایا جاسکتا ہے۔

درحقیقت اس مفید اور دلچسپ تحریر کا مطالعہ جہاں ایک عظیم المرتبت شخصیت کی سیرت کا عکاس ہے وہاں یہ تاریخ کے ایک بھرپور دَور کا ادراک بھی ہے اور بلاشبہ اعلیٰ اخلاق کا ایسا جامع اظہار بھی ہے جسے ہر احمدی کو اپنی زندگی میں جاری کرنا چاہئے۔

مذکورہ کتاب کی اہمیت و افادیت اس لحاظ سے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ محترم خان صاحب اور آپ کی فیملی کو ایک لمبا عرصہ حضرت چودھری صاحبؓ کی خدمت کی سعادت عطا ہوئی اور اس طرح آپ پر حضرت چودھری صاحبؓ کی وہ خوبیاں بھی آشکار ہوئیں جنہیں انکساری اور عاجزی کا وہ پیکر شاید کبھی بھی ظاہر ہونے نہ دیتا۔ بلاشبہ یہ شاندار قلمی و ادبی کاوش محترم خانصاحب کے گہرے مشاہدات اور بعد ازاں آپ کے منفرد اندازِ بیان کی ہی مرہون منت ہے جس نے منظر عام پر آکر افادۂ عام کے لئے نہایت مثبت اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ پس یہ دونوں وجود ہی ہماری دعاؤں اور شکریہ کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

A5 سائز کے ڈیڑھ صد سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار اپریل 1987ء میں ربوہ سے شائع کی گئی تھی جسے حکومت پاکستان نے (از راہ تعصّب) ضبط کرلیا۔ پھر اس کا دوسرا ایڈیشن لندن سے شائع کیا گیا اور تیسرا ایڈیشن چند اضافوں کے ساتھ طباعت کے لئے تیاری کے مراحل میں ہے۔ کتاب کا سرورق حضرت چودھری صاحبؓ کی تصویر سے مزیّن ہے۔

کتاب کے آغاز میں آپؓ کا تفصیلی سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے جو دراصل شاندار قابلیت کے حامل اس بابرکت وجود کی عظیم الشان ترقیات اور بعض اقوامِ عالم اور بین الاقوامی اداروں کی طرف سے آپؓ کی خدمات کے اعتراف میں پیش کئے جانے والے اعزازات کا مختصر بیان ہے۔ پھر مشاہدات کی روشنی میں آپؓ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا دلنشیں انداز میں بیان ہے۔ چند اہم تاریخی تصاویر کے علاوہ کتاب کے آخر میں حضرت چودھری صاحبؓ کے 27/ایسے منتخب خطوط بھی شامل ہیں اور ان سے بھی آپؓ کی سیرت کے کئی پہلو آشکار ہوتے ہیں۔ پس یہ کتاب تربیتی ہی نہیں بلکہ تبلیغی نکتہ نظر سے بھی پڑھے جانے کے لائق ہے۔

اس دلچسپ کتاب میں شامل چند واقعات آئندہ صفحات میں قارئین کی نذر کئے جا رہے ہیں جو اس کتاب کا مکمل مطالعہ کرنے کے لئے آپ کی تشنگی کے احساس میں مزید اضافہ کردیں گے۔

☆ ہمارے بہت سے قارئین رابطہ کر کے وہ کتاب حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں جس کتاب کا تعارف ہم اپنے رسالہ کی زینت بناتے ہیں۔ براہ کرم نوٹ فرمالیں کہ ادارہ ''انصارالدین'' کے ذریعہ کتب فروخت نہیں کی جاتیں۔ کسی کتاب کو حاصل کرنے کے لئے پبلشر سے براہ راست یا احمدیہ بکسٹال سے رابطہ کیجئے

☆ اگر آپ بھی اپنی کسی پسندیدہ کتاب کا تعارف ''انصار ڈائجسٹ'' کی زینت بنانے کے خواہشمند ہیں تو براہ کرم درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں:

079 47 408 144

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ

مرتّبہ: ناصر محمود پاشا

❁ محترم بشیر رفیق خانصاحب رقمطراز ہیں کہ مَیں گاڑی چلا رہا تھا۔ حضرت چوہدری ظفراللہ خانصاحبؓ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ آپؓ کی عادت تھی کہ ڈرائیور کو کار چلانے کے سلسلہ میں نہ تو کوئی مشورہ دیتے اور نہ ہی ٹوکتے۔ ایک کار میرے آگے جا رہی تھی۔ میں نے تین چار مرتبہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن جونہی میں اس کار سے آگے نکلنے کیلئے اپنی رفتار تیز کرتا اس کار کا ڈرائیور بھی اپنی رفتار تیز کر کے مجھے آگے نکلنے سے روک دیتا۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا حتّٰی کہ وہ کار ایک طرف کو مُڑ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ جب تک وہ کار نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی، حضرت چوہدری صاحبؓ کی نظریں مسلسل اُس کا تعاقب کرتی رہیں۔ پھر آپؓ فرمانے لگے: امام صاحب! جب تک آپ اس کار سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے رہے میں یہ دعا کرتا رہا کہ آپ اس سے آگے نہ نکل سکیں۔ اُس کار کی نمبر پلیٹ پر ALH کے الفاظ نمایاں تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ اللہ (ALLAH) کا مخفف ہیں۔ میرے دل نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایسی کار جس کی نمبر پلیٹ پر ایسے الفاظ درج ہوں آپ اس کار سے آگے نکل جائیں۔ چنانچہ میں یہی دعا کرتا رہا کہ آپ اس کار سے آگے نہ نکل سکیں۔

❁ 1964ء میں خاکسار امام مسجد فضل لندن مقرر کیا گیا تو حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعلق بہت بڑھ گیا۔ جب آپؓ لندن تشریف لاتے تو میرے ہاں قیام فرما ہوتے۔ پھر ریٹائرمنٹ کے بعد آپؓ نے اپنی باقی ماندہ زندگی کاملاً خدمت دین کیلئے وقف کر دی اور لندن مشن کی عمارت کے ایک حصہ میں رہائش اختیار فرمائی۔ دونوں وقت کا کھانا ہم ساتھ کھاتے۔ سفر و حضر میں ساتھ رہتے اور میری زندگی کا یہ قیمتی ترین عرصہ قریباً دس سال پر محیط رہا۔ آپؓ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح نماز کے بعد لمبی سیر کیا کرتے تھے۔ ایک روز آپؓ سیر سے واپس تشریف لائے تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کی آنکھوں میں نمی ہے اور طبیعت گداز ہے۔ وجہ دریافت کرنے پر پہلے تو ٹالتے رہے۔ میرے اصرار پر فرمایا: جب میں سیر کو نکلا تو تسبیح و تحمید اور درود شریف کے ورد سے فارغ ہونے کے بعد میری طبیعت حمد الٰہی کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کے جو مجھ پر بے شمار احسانات ہیں ان کو دیکھ کر اور اپنی کمزوریوں پر نظر کر کے سوچنا شروع کیا تو بے اختیار میری زبان سے نکلا میرے مولیٰ تو نے مجھ پر جو احسانات کئے ہیں اور جس طرح اپنے ہاتھ سے میری پرورش کی اور اپنی نعمتوں سے مجھے جس قدر نوازا ہے اس کا عشر عشیر بھی کوئی باپ اپنے بیٹے کیلئے نہیں کر سکتا.......۔ ان خیالات میں میں جتنا جتنا غرق ہوتا گیا اتنا اتنا اظہار تشکر سے میرے آنسوؤں کی جھڑی تیز ہوتی گئی۔ یہ کہتے ہوئے آپؓ کی آواز پھر بھرّا گئی اور آپ بغیر بات پوری کئے اپنے کمرہ میں چلے گئے۔

❁ حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے محبت کا وہ عالم تھا کہ جس کے اظہار پر ہندوستان کی گلی گلی میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ جب توہین عدالت کے ایک مقدمہ میں آپؓ نے عدالت کے سامنے ببانگ دہل کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی عزت کے تحفظ کیلئے اگر ہائی کورٹ کے ججوں کی بے عزتی بھی کرنی پڑے تو ہم اس کیلئے ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اور اس واقعہ کا تو مَیں عینی شاہد ہوں کہ ایک دفعہ پاکستان کے ایک مشہور مؤرخ آپ کو ملنے آئے جو آپؓ کے بڑے مداح اور عقیدت مند بھی تھے۔ باتوں باتوں میں وہ ایک ایسی بات کہہ گئے جس سے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ آپؓ فوراً غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو مخاطب ہو کر کہا آپ ابھی یہاں سے نکل جائیں اور آئندہ مجھے نہ ملا کریں، مَیں کسی ایسے شخص سے ہرگز ملنے کو تیار نہیں جو مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو۔ یہ کہہ کر آپؓ چلے گئے۔ پھر ایک لمبے عرصے تک اُن سے نہ ملے۔ بالآخر بار بار معافی مانگنے پر آپؓ نے معاف کر دیا۔

❁ حضرت چوہدری صاحبؓ کا خلفاء کرام کے ساتھ غیر معمولی تعلق تھا۔ چنانچہ حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے اور حضورؓ کے خصوصی الطاف کا مورد بننے اور دعائیں حاصل کرنے کا اعزاز بھی آپؓ کے حصے میں آیا۔ حضرت مصلح موعودؓ سے بھی آپ کا تعلق خصوصی اور نمایاں تھا۔ آپؓ کو ابتداء سے ہی حضورؓ کے خصوصی معاون اور مشیر کی حیثیت حاصل تھی۔ حضورؓ نے آپؓ کو (یورپ میں زیر تعلیم) اپنے صاحبزادگان کا نگران اور سرپرست مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے بھی آپؓ کو تب سے خصوصی تعلق تھا جب حضورؒ بطور طالب علم آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل فرما رہے تھے۔ اس کے بعد زندگی بھر حضورؒ سے خصوصی تعلق رہا۔ حتیٰ کہ دورِ ثالثہ کی پہلی بابرکت تحریک فضلِ عمر فاؤنڈیشن کا اعلان کرنے کی غیر معمولی سعادت بھی حضورؒ نے آپ کی جھولی میں ڈال دی۔ 1978ء میں لندن میں کسر صلیب کانفرنس میں حضورؒ نے اپنے بارہ حواریوں کا اعلان فرمایا جن میں آپؓ کو بھی شامل فرمایا۔ حضورؒ کے ساتھ اطاعت و وفاداری کا آپؓ کا تعلق آپؓ کی کامل وفاداری اور اطاعت کی اعلیٰ مثال ہے۔ جب بھی امام وقت کی طرف سے کوئی حکم موصول ہوتا آپ اس کی فوری تعمیل کرتے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے حکم موصول ہوا کہ فلاں مضمون کا انگریزی میں ترجمہ کر دیں یا فلاں صاحب کو خط لکھیں تو آپ حکم ملتے ہی کاغذ قلم لیکر بیٹھ جاتے۔ دو ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ کل صبح اس کا ترجمہ شروع کر دیں تو فرمایا نہیں! کام ابھی شروع کر دیتے ہیں خواہ ختم کل ہی ہو۔

❁ ایک مرتبہ حضورؒ نے انگلستان میں قیام کے دوران رات کے دس بجے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ اگر چوہدری صاحب جاگ رہے ہوں تو انہیں بلاؤ لیکن اگر سوئے ہوئے ہوں تو ہرگز انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ مَیں دبے پاؤں حضرت چوہدری صاحبؓ کے فلیٹ میں گیا۔ ہماری یہ انڈرسٹینڈنگ تھی کہ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنے کمرہ کا دروازہ بند نہیں کیا کریں گے۔ آپؓ ہمیشہ اس کی پابندی کرتے تھے۔ چنانچہ مَیں آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا کہ دیکھوں آپؓ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ دیکھا کہ آپؓ سو رہے تھے۔ میں واپس مُڑنے کو ہی تھا کہ آہٹ سے آپؓ کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا: کیسے آئے ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ حضورؒ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ سو رہے ہوں تو آپ کو ڈسٹرب نہ کیا

جائے۔اس لئے میں جاکر عرض کردوں گا کہ آپ بستر پر تشریف لے جاچکے ہیں۔میری بات سنتے ہی آپؓ تیزی سے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلدی جلدی ڈریسنگ گاؤن پہننے لگے اور فرمایا کہ اگر حضورؒ نے یاد فرمایا ہے تو پھر سونے کا کیا سوال۔مَیں نے دوبارہ عرض کرنے کی کوشش کی مگر آپ میری بات کی طرف توجہ دینے سے کاملاً بے نیاز ہوچکے تھے۔چنانچہ فوری طور پر حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

❁ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بھی آپ نے خصوصی عقیدت کا تعلق برقرار رکھا۔اکثر مسائل کے بارہ میں حضورؒ کو لکھا کرتے۔ایک بار کہنے لگے کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اس منصبِ جلیلہ پر فائز کرنے کے بعد حضورؒ کو کس قدر تبحر علمی عطا کردیا ہے کہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو آپ یوں حل کرتے چلے جاتے ہیں کہ گویا اُن میں کوئی مشکل تھی ہی نہیں۔پھر حضورؒ کی انگریزی زبان کی قابلیت انگریزی زبان بولنے میں حضورؒ کی مہارت اور روانی کا بالخصوص تذکرہ فرمایا۔

❁ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی طویل زندگی کا راز کیا ہے تو میں بلا تامّل سورۃ الرعد کی یہ آیت پیش کروں گا: جو زیادہ نافع الناس ہوتا ہے وہ دنیا میں زیادہ عرصہ رہتا ہے۔آپؓ ہزاروں روپے کی ماہوار آمد میں سے صرف چند سو روپے اپنے لئے رکھتے۔باقی رقم یا تو جماعتی چندوں میں چلی جاتی تھی یا غرباء اور مستحقین کی امداد میں خرچ ہوتی تھی۔آپؓ اپنی روز مرّہ زندگی میں کس قدر مشقت اور تکلیف اُٹھا کر مستحقین کے دکھوں کو دُور اور ان کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتے تھے۔اس کا راز آپ کی حد تک پہنچی ہوئی کفایت شعاری میں تھا۔آپ ایک کروڑ پتی امریکن کا یہ واقعہ سنایا کرتے تھے جسے ایک دفعہ دو خواتین نے فون کیا اور رفاہِ عامہ کے ایک کام کے سلسلہ میں مالی تعاون کی تحریک کی۔کروڑ پتی شخص نے اُن خواتین کو دس منٹ کا وقت دیا اور تاکید کی کہ میرا وقت قیمتی ہے اس لئے وقت پر آنا۔دونوں خواتین عین وقت پر حاضر ہوگئیں۔اس کروڑ پتی نے جونہی ان خواتین کو اپنے کمرہ میں داخل ہوتے دیکھا تو فوراً اپنے دفتر کی ایک کے سوا باقی سب بتیاں گل کردیں۔ان خواتین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا کہ جو شخص اس قدر کنجوس ہے وہ ہمیں کیا دے گا۔کروڑ پتی دونوں خواتین کے انداز کو بھانپ گیا لیکن خاموش رہا۔خواتین نے جب مالی تعاون کی تحریک کی تو کروڑ پتی نے ایک خطیر رقم کا چیک کاٹ کر ان کے حوالے کردیا۔یہ رقم ان دونوں خواتین کے اندازے سے اس قدر زیادہ تھی کہ دونوں حیران رہ گئیں اور سراپا سپاس تشکر بن گئیں۔

جب وہ اٹھنے لگیں تو کروڑ پتی نے پوچھا کہ آپ نے میرے بتیاں بجھانے پر کیا سوچا تھا؟ دونوں پہلے تو جھجکیں پھر صاف بتایا کہ آپ کی اس حد درجہ کفایت شعاری کو دیکھ کر ہمیں آپ سے کوئی امید نہ رہی تھی۔اُس نے کہا دیکھو اسی طرح روشنیاں بجھاتے بجھاتے میں اِس قابل ہوا ہوں کہ تمہیں اتنا بڑا چیک خیرات کے طور پر دے سکوں۔

❁ حضرت چوہدری صاحبؓ دوسروں کی مدد کرنے کیلئے اپنی ذات پر کس کس رنگ میں ظلم کرتے تھے اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ایک دفعہ جب آپ امریکہ تشریف لے جارہے تھے تو میں نے آپ سے عرض کی کہ فلاں کمپنی کی بنی ہوئی دو قمیصیں جن کی قیمت دس پونڈ فی قمیص تھی میرے لئے لیتے آئیں۔فرمایا میں تو اپنے دوستوں کیلئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ فضول خرچی کریں۔دس پونڈ میں تو کم از کم چار قمیصیں آنی چاہئیں۔میں نے عرض کیا چوہدری صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں ڈھائی پونڈ کی ایک قمیص کہاں سے ملے گی۔فرمانے لگے: مَیں تو سالہا سال سے اسی قیمت کی قمیص امریکہ سے خریدتا ہوں اور پہنتا ہوں، مجھے تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ تم نے سستی قمیص پہن رکھی ہے۔اس لئے اگر تو میری طرح کی سستی قمیص پسند ہو تو میں لیتا آؤں گا لیکن اس سے مہنگی قمیص میں نہیں لاؤں گا۔میں نہیں چاہتا کہ آپ فضول خرچی کریں۔اب میں پھنس چکا تھا۔پیسے واپس مانگتا تو ناراضگی کا خدشہ تھا۔لہٰذا نیم دلی سے کہا آپ جو چاہیں قمیص لے آئیں۔

❁ ایک دفعہ آپ کے غسلخانے میں ایک عجیب قسم کا صابن دیکھا جس کی کئی تہیں تھیں۔میں نے پوچھا یہ عجیب قسم کا صابن آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟ مسکرا کر فرمانے لگے جب صابن استعمال کرتے کرتے باریک سارہ جاتا ہے اور مزید استعمال کرنا مشکل ہوجاتا ہے تو میں نئے صابن کے ساتھ اس کو جوڑ دیتا ہوں اس طرح بہت سے صابن جُڑتے جُڑتے یہ شکل بن گئی ہے۔

❁ ایک بار مَیں نے کہا چوہدری صاحب کفایت شعاری بجا! لیکن یہ معمولی دو اڑھائی پونڈ کی بچت سے کیا بن جاتا ہے۔فرمانے لگے تم جانتے ہو یہ پاکستان پہنچ کر کتنی رقم بن جاتی ہے؟ جانتے ہو اس رقم سے ایک غریب خاندان کا بچہ پاکستان میں ایک ماہ پڑھائی جاری رکھ سکتا ہے۔میرے ذرا سی تکلیف اُٹھانے سے پاکستان میں کسی غریب بچے کا مستقبل سنور جائے تو مجھے اور کیا چاہئے۔پھر فرمایا کہ زندگی میں عام آسائشیں حاصل نہ کرنے سے ایک اور بڑا اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کا نفس اس کے تابع رہتا ہے اور دُنیا میں کچھ کر گزرنے اور خصوصاً خدمتِ دین کے معاملے میں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

❁ ایک بار آپؓ کسی کو ساتھ لے کر جوتا خریدنے نکلے۔آپ کو اپنی مرضی کا سستا جوتا نہ مل سکا تو آخر واپس آگئے۔اُس شخص نے تنگ آکر کہا چوہدری صاحب! آپ اپنی پوزیشن کو بھی دیکھا کریں، جتنا سستا جوتا آپ چاہتے ہیں اس کو دیکھ کر لوگ آپ کے بارہ میں کیا سوچیں گے؟ آپ نے فرمایا "جو شخص مجھے جانتا ہے کہ میرا نام ظفر اللہ ہے اس کی نظر کبھی میرے جوتے پر نہیں جائے گی اور جو شخص نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اس کو میں قیمتی جوتا پہن کر یہ نہیں بتانا چاہتا کہ میرا نام ظفر اللہ ہے"۔اس شخص نے ہار کر کہا آپ اپنی عمر کو بھی تو دیکھیں اس عمر میں آپ کو نرم اور آرام دہ جوتا چاہئے۔فرمانے لگے مجھے تو کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میرے پیر کو بے آرامی محسوس ہوتی ہے۔کیونکہ میں نے اپنے پاؤں کو نرم جوتے کا عادی ہی نہیں بنایا۔اور آپ جتنا مہنگا جوتا میرے لئے تجویز کررہے ہیں اس رقم کو بچا کر تو پاکستان میں کئی طالب علموں کی پڑھائی کا خرچہ پورا ہوسکتا ہے۔

❁ میں کبھی سوچتا ہوں تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں کہ کسی اَن دیکھے طالب علم، کسی ناواقف اور انجان بیوہ یا مستحق کیلئے آپ کے دل میں کس قدر درد تھا!

شاید کوئی پڑھنے والا سوچے کہ جس طرح حضرت چوہدری صاحبؓ خود کفایت کی زندگی گزارتے تھے اسی طرح کفایت سے وظائف بھی دیتے ہوں گے۔لیکن ایسا نہیں تھا۔قرض مانگنے والوں کی ضرورت سے بڑھ کر اُن کو دیتے کہ شاید کوئی اَور ضرورت بھی ہو۔

❁ کھانے میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ عالمی عدالتِ انصاف میں بطور جج مقیم تھے تو آپ عموماً جمعہ کے دن ہیگ سے لندن تشریف لاتے اور سوموار کی صبح کو ہیگ پرواز کرجاتے۔سوموار کی صبح کو ناشتہ پر جو ٹوسٹ اور انڈہ بچ جاتا اسے پیک کرکے ساتھ لے

جاتے اور فرمایا کرتے کہ چونکہ مَیں ایئرپورٹ سے سیدھا کورٹ چلا جاتا ہوں اس لئے دوپہر کے کھانے کیلئے یہ ٹوسٹ اور ایک گلاس دودھ کفایت کر جاتا ہے۔ میں اصرار کرتا کہ باقاعدہ لنچ پیک کر کے ساتھ دیتا ہوں لیکن آپ نہ مانتے اور فرماتے کہ کھانے میں تکلّف مجھے پسند نہیں ہے۔ مجھے متواتر دس سال تک آپ کی خدمت کی توفیق ملی۔ ان دس سالوں میں جو کھانا بھی سامنے رکھا، کھا لیا۔ ایک بار بھی کوئی نقص نہیں نکالا۔ سبزیوں میں اروی بہت رغبت سے کھاتے تھے۔ کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ صوفیاء نے جو لکھا ہے کہ روحانیت کیلئے کم کھانا، کم سونا اور کم بولنا ضروری ہے تو میں کم کھانے اور کم سونے پر تو عمل کرتا ہوں البتہ کم بولنے پر ابھی میں عمل نہیں کر سکا۔

کھانے میں شہد آپ کو بہت پسند تھا۔ آپ کے دوستوں اور جاننے والوں کو اس کا علم تھا چنانچہ دُور دُور سے مختلف قسم کے پھولوں سے کشید کردہ شہد آپ کو تحفۃً بھجوایا کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حالانکہ میں شوگر کا مریض ہوں لیکن مجھے شہد نے کبھی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ قرآن کریم کی سچائی کی دلیل ہے کہ اس میں انسانوں کیلئے شفا موجود ہے۔

۞ آپؓ یادداشت کے معاملے میں طلسماتی اور مافوق البشر خصوصیات کے مالک تھے۔ قائداعظم کی اس بات پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ: "ظفراللہ خان کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے"۔ آپؓ کا حلقۂ احباب سینکڑوں یا ہزاروں احباب تک وسیع تھا لیکن کبھی کسی کا ٹیلیفون نمبر نوٹ نہیں کیا۔ یہ سارے نمبر آپ کے ذہن کے کمپیوٹر میں محفوظ رہتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے کسی جاننے والے کا ٹیلیفون نمبر کسی دوسرے سے پوچھا ہو۔ لوگ ملنے آتے، آپ ان کا ٹیلیفون نمبر پوچھتے۔ یہ نمبر چند بار دہراتے اور بس۔ پھر یہ آپ کی طلسماتی یادداشت کا حصہ بن جاتا۔

۞ ایک دفعہ دورانِ سفر حضرت چوہدری صاحبؓ نے فارسی اور اردو کے اشعار سنانے شروع کئے اور عالم یہ تھا کہ ایک کے بعد دوسرا شعر روانی سے ادا ہو رہا تھا۔ اس حد تک تو شاید لوگ کسی کی ہمسری کا دعویٰ کر سکیں لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ آپؓ فرمانے لگے اگر ہم جس راستے سے آئے ہیں اسی راستے سے واپس روانہ ہوں تو میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ کس موڑ پر اور کس جگہ میں نے کون سا شعر سنایا تھا۔

۞ آپ نے سالہا سال تک قرآن کلاس میں فضائل قرآن پر لیکچرز دیئے اور قرآنی علوم و معارف بیان فرماتے رہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ دیا تھا اس لئے جس حصہ قرآن پر درس دینا ہوتا تھا وہ حفظ فرما لیا کرتے تھے۔ اس طرح سے آپ کو قرآن کریم کا بہت سارا حصہ حفظ ہو چکا تھا۔

۞ آپؓ کی خودنوشت سوانح عمری کا پہلا ایڈیشن 1971ء میں شائع ہوا۔ جب آپ نے اپنی کتاب کا ضخیم مسودہ لکھا تو مجھ سے بھی رائے مانگی۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ ساٹھ ستر سال پرانے واقعات صرف اپنی یادداشت کے سہارے لکھے ہیں۔ ان میں جابجا معین تاریخیں، سن اور وقت بھی لکھا ہے اگر ان کی کسی طرح سے پڑتال ہو جائے تو بہتر ہے۔ آپؓ نے فرمایا: نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مَیں نے اصرار کیا تو فرمانے لگے اچھا یوں کریں کہ ایک دو واقعات بطور ٹیسٹ نکال لیں اور ان کی پڑتال کریں۔ چنانچہ مَیں نے ایک مشہور شخصیت سے آپ کی ملاقات کے حصے کو اس مقصد کیلئے چنا۔ اس ملاقات کے ذکر میں حضرت چوہدری صاحبؓ نے یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ اس وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ مجھے اُمید تھی کہ اس روز کی موسم کی خبر میں اس کا پتہ چل جائے گا۔ چنانچہ میں نے بڑی کوشش کر کے سالہا سال پرانے اخبارات کے فائل نکلوائے اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے اس روز کی خبروں میں چوہدری صاحب کی ملاقات کی تفصیلات کے علاوہ موسم کی خبر سے یہ پتہ بھی لگ گیا کہ اس ملاقات کے وقت بوندا بوندی ہو رہی تھی۔

اپنی تصانیف کیلئے آپ بہت کم حوالہ جات کی تلاش کرواتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر حوالے آپ کو زبانی یاد ہوتے تھے۔

۞ حضرت چوہدری صاحبؓ ان خدا رسیدہ لوگوں میں شامل تھے جن کی دعاؤں کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے۔ جن کی خاطر خدا تعالیٰ اپنی تقدیریں بھی ٹال دیتا ہے۔ جب آپ سے دعا کیلئے کہا جاتا تو آپ فوراً بالالتزام دعا شروع کر دیتے اور فرمایا کرتے۔ بارہا یوں بھی ہوا کہ کسی نے مجھے کہا کہ میرے ہاں زچگی متوقع ہے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے لڑکے سے نوازے۔ میں دعا میں لگ جاتا ہوں اور عرصہ بعد جب اسی شخص سے پوچھتا ہوں کہ بھئی میں تمہارے لئے دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لڑکا دے تو وہ شخص جواب دیتا کہ میرے ہاں تو لڑکا پیدا ہوئے اب ایک سال ہونے کو ہے۔

آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دعا تو کرتے ہیں لیکن دعا کیلئے جو شرائط ہیں ان پر عمل نہیں کرتے اسلئے قبولیت دعا سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ اپنے ایک بزرگ کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ان کی دعائیں بہت قبول ہوتی تھیں۔ قبولیت دعا کا راز انہوں نے یہ بیان فرمایا کہ میں دعا کیلئے اندھیری کوٹھڑی میں چلا جاتا ہوں، دروازہ بند کر لیتا ہوں اور اللہ میاں کو چھپی ڈال لیتا ہوں کہ جب تک میری دعا کو قبول نہیں کرو گے میں نہیں چھوڑوں گا۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ دعا تبھی پایۂ قبولیت کو پہنچتی ہے جب انسان اپنے اُوپر یہی کیفیت طاری کرے اور آستانہ الٰہی سے اس وقت تک چمٹا رہے جب تک قبولیتِ دعا کا نشان نہ دیکھ لے۔

۞ حضرت چوہدری صاحبؓ اپنی قبولیت دعا کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ جب میں اقوام متحدہ کے سترھویں سیشن کا صدر منتخب ہوا تو میرے دل میں اس بات پر تشویش پیدا ہوئی کہ میں نے تو اسمبلی کے قواعد وضوابط کا مطالعہ بھی نہیں کیا جبکہ افغانستان کے سفیر دن میں کئی کئی بار پوائنٹ آف آرڈر اُٹھانے میں مشہور تھے اور بار بار صدر کو قواعد کی طرف متوجہ کر کے ان کو آگے نہیں چلنے دیتے تھے۔ مَیں نے بڑی تضرّع سے اپنے مولیٰ سے دعا کی اور میرے مولیٰ نے میری تضرّعات کو یوں شرفِ قبولیت بخشا کہ میری صدارت کے دوران ایک سال کے عرصہ میں ایک بھی پوائنٹ آف آرڈر نہیں اٹھایا گیا اور یوں یہ سیشن اس لحاظ سے بھی ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔

۞ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنے نفس کو اس قدر مطیع کیا ہوا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں اکیلے میں اپنے نفس کو خوب جھاڑتا ہوں کہ دیکھ تجھ میں یہ کمزوریاں ہیں انہیں دُور کرنے کی طرف توجہ دے۔ ایسا کرنے سے میری طبیعت اس بات کی طرف شدّت سے مائل ہو جاتی ہے کہ میں اپنی کمزوریوں کی اصلاح کر سکوں۔ اسی بات نے آپ کو انکساری اور تواضع میں ایک خاص مقام پر پہنچا دیا۔

آپ اپنے نفس کیلئے اتنے سخت الفاظ استعمال فرماتے کہ اب آپ کی وفات کے بعد دل بھی نہیں چاہتا کہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کیا جائے مگر حضرت چوہدری صاحبؓ کی عظمت کی بلندیوں کا صحیح اظہار

کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ سخت ترین الفاظ بھی بجنسہٖ درج کئے جائیں۔ ایک مرتبہ یورپ کے ایک صاحب نے آپ کو خط میں شکوہ کیا کہ شاید آپ اس وجہ سے ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے کہ آپ بڑے آدمی ہیں اور ہم کم حیثیت کے ہیں وغیرہ۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو خط کے اس آخری فقرے سے سخت تکلیف ہوئی۔ اگلے دن آپ نے ان صاحب کے نام ایک خط لکھا اور فرمایا بے شک آپ اسے پڑھ بھی لیں۔ مَیں یہ خط پڑھ کر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ آج بھی اس خط کے مضمون کے تصوّر سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ چوہدری صاحب نے ان کے پاس نہ جانے کی معذرت کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ جب میں آپ کے خط کے اس فقرے پر پہنچا کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہوں تو میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ ظفر اللہ خان تم اپنے نفس کو اچھی طرح ٹٹول کر جواب دو کہ تمہاری حیثیت کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس وقت خط کا جواب فوری طور پر دینا ملتوی کر دیا اور اس سوال پر پورا ایک دن اور ایک رات غور کرتا رہا۔ اب مَیں آپ کے اس سوال کا جواب دے رہا ہوں جبکہ میرے نفس نے مجھے جواب دیا ہے کہ میری حیثیت درحقیقت کیا ہے۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ میرے نفس نے مجھے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ظفر اللہ خان تیری حیثیت ایک مرے ہوئے کتے سے بھی بدتر ہے۔ تم میں کوئی بڑائی نہیں جو کچھ تمہیں ملا ہے وہ محض فضلِ خداوندی ہے۔

۞ حضرت چوہدری صاحبؓ جہاں بھی رہے وہاں آپ نے مربیانِ سلسلہ سے احترام کا خصوصی تعلق قائم رکھا۔ ایک بار آپ کے دہلی میں قیام کے زمانہ کے ایک باورچی نے (جو لندن میں مقیم ہے) آپ کو کھانے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمالی۔ خاکسار بھی اس دعوت میں شریک تھا۔ غریب باورچی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد باورچی نے ایک تھیلا خاکسار کو پکڑاتے ہوئے کہا کہ اس میں حضرت چوہدری صاحبؓ کیلئے مرغ مسلّم ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے یہ بات سن کر تھیلا جھپٹ کر میرے ہاتھ سے لے لیا اور باورچی سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم نے بڑی گستاخی کی ہے۔ امام صاحب برطانیہ میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ ہیں۔ اس لحاظ سے میں ہر وقت ان کے ماتحت ہوں۔ تمہیں یہ تھیلا انہیں نہیں پکڑانا چاہئے تھا۔ ان کا احترام لازم ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ باورچی کو یہ نصیحت فرما رہے تھے اور مَیں شرم سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ بھلا حضرت چوہدری صاحبؓ کے سامنے میری کیا حیثیت!

۞ جب بھی کوئی شخص آپؓ کی دعوت کرتا تو آپؓ فرماتے امام صاحب سے پوچھ لیں اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ان کے ساتھ آجاؤں گا۔ ضمناً یہ عرض کر دوں کہ آپ دعوت کبھی ردّ نہ کرتے حالانکہ بوجہ ذیابیطس پرہیزی کھانا کھانے کی وجہ سے دعوتوں میں جانا آپ کی صحت کیلئے مناسب نہ تھا۔ فرماتے حدیث میں آیا ہے کہ دعوت کو ردّ نہ کرو۔

۞ حضرت چوہدری صاحبؓ نے جس طرح نظم و ضبط سے ساری زندگی گزاری ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو وقت کی انتہائی پابندی ہے۔ اس پر آپ نہ صرف خود عمل پیرا ہوتے بلکہ احباب جماعت کی تربیت اس رنگ میں بھی فرماتے کہ انہیں بھی پابندیٔ وقت کی عادت پڑ جاتی تھی۔ ایک دفعہ کسی کو ملنے تشریف لے گئے۔ جب ہم اس شخص کے مکان پر پہنچے تو مقررہ وقت میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ آپ نے فرمایا پابندیٔ وقت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کسی کے ہاں مقررّہ وقت سے پہلے بھی نہ جایا جائے۔ اس لئے آیئے تھوڑی دیر سڑک پر ٹہلتے ہیں۔ عین وقت پر فرمایا اب چلیں۔

۞ پابندیٔ وقت کے ضمن میں آپ کو اپنے آرام و آسائش کی قربانی بھی دینا پڑتی تھی۔ آپؓ نے بتایا کہ گول میز کانفرنسوں کے دنوں میں دوپہر کے کھانے کیلئے بڑا مختصر سا وقت ملتا تھا۔ ہندوستانی وفد کے اراکین اکثر کھانے کے وقفہ کے بعد دیر سے آتے جبکہ مَیں عین وقت پر کانفرنس ہال میں داخل ہوا کرتا۔ ایک دن علامہ اقبال نے مجھ سے پوچھا کہ کھانا آپ بھی ہوٹل سے کھاتے ہیں اور ہم بھی۔ پھر آپ بروقت کھانے سے فارغ ہو کر کس طرح کانفرنس میں شامل ہو جاتے ہیں؟ مَیں نے کہا کل میرے ساتھ چلے چلیں۔ چنانچہ اگلے دن میں وفد کے ممبران کو بکنگھم پیلس کے قریب ہی ایک سیلف سروس ریستوران میں لے گیا۔ وہاں قطار میں کھڑے ہو کر کھانا حاصل کیا اور وقت کے اندر اندر کھانے سے فارغ ہو کر عین وقت پر سب لوگ کانفرنس ہال میں پہنچ گئے۔ وفد کے ممبران کو جب اگلے روز مَیں نے ساتھ چلنے کو کہا تو اُن میں سے بعض نے کہا کہ آپ جائیں، ہم سے تو قطار میں کھڑے ہو کر کھانا حاصل نہیں کیا جاتا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے! تو پھر آپ کو وقت پر آنا بھی ممکن نہ ہوگا۔

۞ حضرت چودھری صاحبؓ کی اس پابندیٔ وقت کا یہ نتیجہ تھا کہ اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آپ کی صدارت کے دوران اقوامِ متحدہ کا اجلاس کرسمس کی تعطیلات سے پہلے پہلے حسبِ پروگرام ختم ہو گیا اور اس اعتبار سے بھی یہ سیشن ایک تاریخی اہمیت اختیار کر گیا۔

۞ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنی ساری زندگی اتنی بھرپور گزاری ہے کہ ان کے کام کرنے کی قوت اور صلاحیت کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔ آپ کی زندگی کا ماٹو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کام کام اور صرف کام۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب چالیس سال کی عمر میں مجھے ذیابیطس کی تکلیف شروع ہوئی تو ڈاکٹروں نے بہت سی احتیاطیں بتائیں۔ ان دنوں میں مَیں سوچا کرتا تھا کہ اگر میری عمر ساٹھ سال بھی ہوگئی تو بہت ہوگی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے عمر میں اضافہ فرمادیا ہے تو یہ مہلت اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں بسر کرنا چاہتا ہوں چنانچہ آپ اسّی بیاسی سال کی عمر میں بھی روزانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے میز کرسی پر بیٹھ کر تصانیف میں مشغول رہتے تھے۔ دن کو سونے کی عادت نہ تھی۔ آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے استراحت فرما لیا کرتے تھے۔ اکثر تصانیف کے ابتدائی مسودے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دیا کرتے تھے۔ بعد میں جب ڈاکٹروں نے ہاتھ سے لکھنے سے منع کر دیا تو پھر تصانیف کو املاء کرنا شروع کیا۔

۞ سلسلہ کے اخبارات و رسائل کو دلچسپی سے پڑھنا آپ کا خاص شوق تھا۔ الفضل کے مطالعہ میں کبھی ناغہ نہ کرتے۔ جب بھی لندن تشریف لاتے تو فرماتے فلاں تاریخ تک کے الفضل میں پڑھ چکا ہوں اس کے بعد کے مجھے دیدیں۔ انگریزی رسالہ 'مسلم ہیرلڈ'، 'الفرقان' اور 'لاہور' بہت شوق اور باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔

۞ 1965ء میں آپ عالمی عدالت انصاف میں بطور جج متعین تھے۔ خاکسار نے لندن مشن ہاؤس کی توسیع کے سلسلہ میں مرکز سے اجازت حاصل کر لی تھی کہ اگر انگلستان کی کسی فرم سے قرضہ مل جائے جس کی ادائیگی بذریعہ اقساط ہو سکے تو یہ توسیع کر لی جائے۔ ایک بڑی فنانس کمپنی سے ایک سال سے زائد عرصہ میں جب سب باتیں طے ہو گئیں اور معاہدوں پر دستخط کرنے کا وقت آیا تو مذکورہ کارپوریشن نے بغیر کوئی وجہ بتائے قرضہ دینے سے انکار کر دیا جس سے مجھے سخت پریشانی ہوئی۔ آپؓ کے دریافت فرمانے پر مَیں نے تفصیل سے

سارے حالات بتائے، آپؓ خاموش رہے۔ اگلے دن فرمایا کہ جن شرائط پر فنانس کمپنی آپ کو قرضہ دے رہی تھی اُنہی شرائط پر میں آپ کیلئے ذاتی طور پر قرضہ کا انتظام کر دوں تو کیسا رہے گا۔ خاکسار نے حضورؒ کی خدمت میں لکھ دیا کہ حضرت چوہدری صاحبؓ رقم مہیا کرنے کو تیار ہیں۔ حضورؒ نے منظوری عطا فرمائی اور ہم ایک نئے مشن ہاؤس کی تعمیر میں لگ گئے۔ یہ مشن ہاؤس ایک بڑے (محمود) ہال کے علاوہ تین فلیٹ اور دفاتر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ تعمیر کے کام کو ایک سال کا عرصہ لگا اور بالآخر سوالاکھ پونڈ کے خرچ سے یہ کام مکمل ہو گیا۔ مشن ہاؤس کی تکمیل کے بعد ایک معاہدہ مابین تحریک جدید اور چوہدری صاحب تیار ہوا۔ جس دن معاہدہ پر دستخط ہونے تھے اُس دن ناشتہ پر آپؓ نے فرمایا کہ ''میں نے رات کو اس معاہدہ کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے وہ محض فضل خداوندی ہے ورنہ گھر سے تو کچھ نہ لائے تھے۔ میرے ضمیر نے اس بات پر مجھے ملامت کی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے کسی معاہدہ کی ضرورت کیوں پیش آئے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یہ رقم واپس نہیں لوں گا''۔ اور یہ کہہ کر معاہدہ کو پھاڑ دیا۔ نیز فرمایا کہ حضورؒ کے علاوہ میری زندگی میں کسی اَور کو اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ اس مشن ہاؤس کی تعمیر کا سارا خرچ میں نے دیا ہے۔

❁ ایک بار جب خاکسار آپؓ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا تو فرمانے لگے کہ میں نے رات کو ایک منذر خواب دیکھا ہے۔ آپ ڈرائیونگ بھی کریں اور ساتھ ساتھ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خواب کے منذر حصہ سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آپؓ ہمیشہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما ہوتے۔ سفر کے ابتداء میں پون گھنٹہ کے لگ بھگ آپ خاموشی سے دعاؤں اور ذکر الٰہی میں گزارتے اور اس دوران کسی قسم کی بات چیت پسند نہ فرماتے تھے۔ اس کے بعد یا تو سو جاتے یا ڈرائیو کرنے والے سے سلسلۂ گفتگو جاری فرماتے۔ کبھی ڈرائیور کو ڈرائیونگ کے سلسلہ میں نہ ٹوکتے۔ آپ کو انگلستان کی اکثر بڑی سڑکوں بلکہ دیہاتی سڑکوں کا بھی علم تھا اور بغیر کسی نقشہ کے منزل مقصود تک راہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ اس سفر کے دوران ہم نے ایک رات ہوٹل میں ٹھہرنا تھا۔ شام کے کھانے بعد آپؓ نے فرمایا کہ ناشتہ صبح ساڑھے سات بجے ڈائننگ ہال میں کریں گے۔ میں ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا لیکن آپؓ کو وہاں نہ پایا۔ آپ وقت کی پابندی کا جس قدر خیال رکھتے تھے اس نے مجھے پریشان کر دیا۔ مزید پندرہ بیس منٹ بھی جب حضرت چوہدری صاحبؓ تشریف نہ لائے تو میں پریشانی میں آپؓ کے کمرہ میں حاضر ہوا۔ آپ چارپائی پر دراز تھے اور بہت کمزور دکھائی دے رہے تھے۔ فرمایا کہ رات کو میں نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اُٹھ کر غسل خانہ میں وضو کے لئے گیا تھا۔ پاؤں دھونے کے لئے سنک Sink میں رکھا تو توازن قائم نہ رہ سکا اور گر گیا۔ سر نہانے کے ٹب سے ٹکرایا اور میں بیہوش ہو گیا۔ نہ جانے کتنی دیر بیہوش رہا۔ جب ہوش آیا تو چند منٹ تک یہ احساس نہ رہا کہ میں کہاں ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد اتنا یاد آیا کہ تم میرے ہمسفر ہو۔ پھر میں نے دس تک گنتی کی تو ٹھیک گنتی ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ میرا حافظہ درست ہے۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور بستر پر ہی نماز تہجد اور نماز فجر ادا کی۔

میں نے شکوہ کے رنگ میں عرض کیا کہ مجھے کیوں نہ بلایا، میرا آپ کے ساتھ ہونے کا کیا فائدہ؟ فرمانے لگے خیال تو دو تین دفعہ آیا تھا لیکن پھر یہ خیال آتا رہا کہ تم نے ڈرائیونگ کی ہے اور تھکے ہوئے ہو۔ میں نے آپ کی کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ میں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں اور آگے کا سفر ایک دن کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے گلاسگو کی جماعت کو شام کا وقت دیا ہے، اس لئے ہمیں ضرور وہاں پہنچنا چاہئے۔ مجھے کار کی سیٹ پر بٹھا دو گلاسگو پہنچ کر ڈاکٹر کو دکھا دیں گے۔ میری بار بار کی درخواستوں کے باوجود مُصر رہے چنانچہ ہم گلاسگو کے لئے روانہ ہوئے۔ گلاسگو پہنچ کر ہمارے اصرار سے روکنے کے باوجود آپ نے میٹنگ کو خطاب فرمایا۔

❁ اگر کبھی موت آپ کے در پر دستک دے تو آپ کا رویہ کیا ہوگا؟ یہ سوال حضرت چوہدری صاحبؓ نے بھی خود سے کئی بار کیا تھا اور اس کا جواب بھی ان کو ملا۔ مشن ہاؤس کے جس فلیٹ میں آپؓ مقیم تھے وہاں میں نے بااصرار ٹیلیفون لگوا دیا تھا تا کسی ہنگامی صورت میں ہم کو اطلاع کر سکیں۔ آپ عموماً ٹیلیفون کو پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دن صبح کے ناشتے پر تشریف نہ لائے تو مجھے فکر ہوئی۔ آپ کے فلیٹ میں حاضر ہوا تو آپ بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ بڑی نحیف اور کمزور آواز میں فرمانے لگے جب رات میں تہجد کیلئے اُٹھا تو مجھے شدید ضعف کا دورہ پڑا اور سارا جسم پسینہ سے تر بتر ہو گیا۔ سینہ میں بھی شدید درد محسوس ہوتا رہا۔ اس دوران کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ دو تین مرتبہ مجھ پر غشی طاری ہوتی رہی۔ میں نے عرض کیا آپ کے سرہانے فون رکھا ہوا ہے اور یہ لگایا بھی اسی لئے گیا تھا کہ آپ کسی فوری ضرورت کے وقت مجھے بلوا سکیں۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بلایا؟ فرمایا دو تین دفعہ مجھے خیال آیا کہ تمہیں فون کروں لیکن ہر بار یہ خیال تم کو بلانے سے مانع رہا کہ تم تھکے ہوئے ہوگے۔ رات کو نیند سے اُٹھانا مناسب نہ ہوگا۔ پھر فرمایا مجھے خوشی ہے کہ اس بیماری میں میری ایک خواہش پوری ہو گئی۔ میری ہمیشہ سے یہ دعا رہی ہے کہ جب میری موت کا وقت قریب آئے تو میری زبان پر جزع فزع کی بجائے حمد الٰہی اور درود کا ورد ہو۔ رات کو بھی جب مجھ پر غشی طاری ہوتی اور میں غشی کی کیفیت سے باہر آتا تو میری زبان پر حمد اور درود ہوتا۔ اس لئے مجھے اب یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ جب بھی موت آئی تو انشاء اللہ میری زبان حمد اور درود سے تر ہوگی۔ فرمایا کرتے تھے مجھے موت سے ہرگز کوئی خوف نہیں ہے اور میں کبھی اس بارہ میں سوچتا بھی نہیں کہ موت کوئی ڈرنے والی چیز ہے۔

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ آپ کو لحظہ بہ لحظہ اپنی طرف بڑھتی ہوئی موت کا نہ صرف احساس تھا بلکہ آپ اس سے ایک گونہ خوشی و مسرت محسوس کرتے تھے اور سفر آخرت کا یوں ذکر فرماتے جیسے کوئی معمول کے سفر پر روانہ ہو رہا ہو۔ ایک بار آپ کی بیماری کے دوران ملاقات کیلئے لاہور حاضر ہوا تو فرمایا: دعا کریں سفر بخیریت گزر جائے۔ مَیں حیران ہوا کہ آپ تو مستقلاً پاکستان تشریف لے آئے ہیں اب کونسا سفر درپیش ہے۔ میری حیرانی دیکھ کر آپؓ خفیف سے مسکرائے اور فرمایا میں اُس سفر کا ذکر کر رہا ہوں۔ مَیں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے۔ آپ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ اب سفر جلد درپیش ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ ایک چار منزلہ مکان ہے جس کے نیچے بیٹھ کر میں الفضل پڑھ رہا ہوں۔ اوپر چوتھی منزل سے میری والدہ محترمہ مجھے آواز دیتی ہیں: اب آ جاؤ۔ مَیں عرض کرتا ہوں کہ بس یہ الفضل تھوڑا سا رہ گیا ہے اسے ختم کر کے حاضر ہوتا ہوں۔

اسی طرح ایک دو اور خوابیں بھی سنائیں جنہیں بیان کرتے وقت چہرے پر موت کے خوف یا ڈر کا تو خیر ذکر ہی کیا، اس کے بالکل اُلٹ نہایت درجہ شادمانی اور اطمینان کا تاثر تھا۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)